’’انسان کی جسمانی اور روحانی فطرت کو کیسے پرورش دی جائے، اسے کس طرح مطابقت اور یگانگت سے لیس کیا جائے اور اسے کیسے بہتر بناتے ہوئے خوبصورت بنایا جائے؟ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے مگر جس کے جواب اور حل کے متعلق سنجیدگی سے سوچنا صرف سوشلزم کے تحت ہی ممکن ہوسکتا ہے‘‘۔

(لیون ٹراٹسکی؛1879-1940ء)

سوشلسٹ انقلاب کے بعد

پاکستان؟

مجوزہ دستاویز نمبر 4

قیمت:100 روپے

31ویں کانگریس 2012ء

فہرست

انقلاب کیوں اور کیسے؟

سوشلسٹ ریاست کی ساخت اور کردار

منصوبہ بند معیشت

انفراسٹرکچر

خواتین

قومی مسئلہ

فن، ثقافت اور ذرائع ابلاغ

خارجہ پالیسی وجنوبی ایشیا کی رضا کارانہ سوشلسٹ فیڈریشن

انقلاب کیوں اور کیسے؟

کارل مارکس نے انقلابات کو تاریخ کی ریل کے انجن سے تعبیر کرتے ہوئے اس کو انسانی ارتقا اور سماج کی نجات کے محرک کے طور پر پیش کیا تھا۔ زیادہ وسعت سے مارکس نے انقلابات کے وقوع پذیر ہونے کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ جب بھی کسی رائج الوقت معاشرے میں موجود ذرائع پیداوار اپنے ارتقا اور تغیر کے عمل میں اس حد تک پھیل جاتے ہیں کہ رائج سماج کے معاشی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور ریاستی ڈھانچے ان کے لیے جکڑ بن جائیں تو ان کا دم گھٹنے لگتا ہے۔ سماج میں ایک ہیجان، ایک اضطراب اور ایک بے چینی پیدا ہوتی ہے اور یہ ایک لاوے کی طرح سلگنے اور ابلنے لگتا ہے ۔ پھر اس میں معیاری تبدیلی آتی ہے اور یہ پھٹ کر پرانے سماج کے ڈھانچوں کو توڑ کر نئے ڈھانچوں میں مرتب ہو کر ایک نئے وقت اور زمانے کا آغاز کرتا ہے۔

انقلابات درحقیقت معمول کا حصہ نہیں ہوتے اور کبھی کبھار مخصوص حالات میں ابھرتے ہیں۔ سماج میں رائج مختلف معاشی، اقتصادی، سیاسی اور دوسرے عوامل اپنی تحریک میں ایک ایسے امتزاج کے نقشے پر مجتمع ہوتے ہیں کہ معاشرہ رائج الوقت نظام سے بغاوت کر دیتا ہے۔ مختلف سماجی عناصر کے ارتقا کا یہ مخصوص امتزاج نہ تو وقت کے حوالے سے اور نہ ہی شدت اور اسکے مضمرات کی بنیاد پر حتمی طور پر متعین کیا جاسکتا ہے۔ حقیقی انقلابات کے دورانیے کا بھی حتمی تعین ممکن نہیں ہوتا۔ کئی انقلابات، مثلاً اسپین (37-1931ء)، وینزویلا (1999-2012ء)، کئی برسوں پر محیط ہوتے ہیں جبکہ روس کا اکتوبر انقلاب فروری سے اکتوبر 1917ء کے 8 ماہ دورانیے کا تھا۔ عمومی طور پر فوجی بغاوتوں، حکومتوں کی تبدیلیوں اور حکمرانوں کے ردوبدل کو ذرائع ابلاغ اور انکے مفکرین انقلابات کا نام دیتے ہیں۔

لیکن درحقیقت انقلابات اس سے کہیں بڑے اور دیوہیکل پیمانے پر ایک تبدیلی ہوتے ہیں۔ حقیقی انقلابات میں صرف حکمران ریاست، سیاست اور معیشت ہی اکھاڑ پھینکی نہیں جاتی بلکہ

تاریخ کے ارتقا کا رخ بدل جاتا ہے، موجود جغرافیے اور سرحدیں بدل جاتی ہیں۔ معاشرے کے اخلاقی، نفسیاتی اور سماجی احساس بدل جاتے ہیں۔ غرضیکہ انقلاب اس سے کہیں بڑی تبدیلی کا نام ہوتا ہے جس کا ہمیں باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ٹراٹسکی انقلاب کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

عوام کی تاریخی واقعات میں براہ راست مداخلت ہی کسی بھی انقلاب کی سب سے نمایاں خوبی ہوتی ہے۔ عام دنوں میں ریاست خواہ اس پر بادشاہت براجمان ہو یا جمہوریت، خود کو عوام سے بے نیاز رکھتی ہے اور مورخین سربراہانِ مملکت، وزرا، دانشوروں اور صحافیوں کے حوالوں سے ہی تاریخ کو مرتب کرتے ہیں۔۔۔۔ لیکن جب وہ وقت آ جاتا ہے کہ یہ فرسودہ نظام عوام کیلئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے تو وہ سبھی حدود و قیود پامال کرتے ہوئے ان لوگوں کو سیاسی دھارے سے نکال باہر کرتے ہیں، اپنے روایتی نمائندوں کو اٹھا کر ایک طرف کر دیتے ہیں اور پھر اپنی مداخلت و شمولیت سے ایک نئی طرز حکومت کی بنیادیں رکھتے ہیں۔ یہ عمل اچھا ہے کہ برا، اس کا فیصلہ اخلاقی مبلغین کرتے پھریں۔ ہمیں تو ان حقائق سے ویسے ہی سروکار ہے جیسے وہ اپنے معروضی حالات کی کوکھ سے جنم لیتے اور تشکیل پاتے ہیں۔ ایک انقلاب کی تاریخ ہمارے لیے، سب سے پہلے، حکمرانی کے عمل میں عوام کا دخل ہونا ہے جو وہ اپنے مقدر بدلنے کیلئے کرتے ہیں۔''

(لیون ٹراٹسکی، **1879/1940**ء)

نسل انسان کی تاریخ میں جتنے بھی معاشرے معرض وجود میں آتے ہیں ان سب کے بنیادی ڈھانچوں میں تبدیلی ارتقا اور تغیر کے عمل میں ایک جست کی صورت میں ہوتی ہے۔ جو دوسرے الفاظ میں مقدار کی قدر یا معیار میں یکسر تبدیلی کا نام ہے۔ قدیم کمیونزم سے غلام داری اور جاگیرداری سے سرمایہ داری تک ہر سماج پرانے سماج کے ڈھانچوں کو توڑ کر نئے معاشرے کو جنم دے سکا تھا۔ اس کرہ ارض کے مختلف خطوں میں انتہائی پسماندہ کیفیات میں اور ظاہری طور پر باہمی ربط اور تعلق نہ ہونے کے باوجود ان انقلابات میں بہت سی مشترک بنیادی اور ہونے والی تبدیلیوں کے بنیادی ڈھانچوں کی مماثلت کی وجہ سے ہی ان کو سماجی سائنس میں کسی مخصوص سماجی

نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جبکہ ان انقلابات میں بہت سی مخصوص کیفیات الگ اور متفرق بھی تھیں لیکن یہ تفریقیں بنیادی نوعیت کی نہیں تھیں۔ اس حوالے سے آج کے عہد کا انقلاب جو سرمایہ داری کو اکھاڑ پھینک کر ایک نیا نظام رائج کر سکتا ہے وہ صرف سوشلسٹ انقلاب ہی ہو سکتا ہے۔ جبکہ مختلف ممالک اور سماجوں میں بہت سی مخصوص کیفیتوں اور فرق کے باوجود بنیادی تبدیلی یعنی ذرائع پیداوار کو جس نظام میں از سر نو مرتب کرنا ہوتا ہے اسکا طریقہ کار، اس کی سائنسی ساخت اور اس کا معیشت اور سماج میں کردار یکساں ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر پاکستان کی تاریخی، جغرافیائی، تہذیبی، معاشی، معاشرتی اور ثقافتی بنیادوں کا جائزہ لیا جائے تو پھر یہ ممکن نہیں کہ سوشلسٹ انقلاب جیسا عظیم عمل صرف موجود سرحدوں، اقدار اور ڈھانچوں میں ہی مقید رہ سکے۔ اس لیے پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب کے بارے میں تنگ نظر، جابر اور ظاہریت پر مبنی سوچ، تجزیے اور تناظر سے اس خطے میں انقلابی سوشلزم کا درست پیش منظر مرتب کیا ہی نہیں جا سکتا۔ ہندوستان، افغانستان اور خطے کے دوسرے ممالک سے جو مندرجہ بالا رشتے پائے جاتے ہیں ان میں انقلاب کو کسی جغرافیائی پابندی میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم 69-1968ء کی انقلابی تحریک کا ہی جائزہ لیں تو اس 74-1967ء کے طوفانی عہد میں ہونے والی تبدیلیاں ہمیں پورے خطے میں اپنے اثرات اور مضمرات مرتب کرتی ہوئی ملتی ہیں۔ بنگال سے لے کر افغانستان اور ایران میں جو انقلابی تبدیلیاں ہوئیں یا ان کی جو بنیاد پڑی وہ خطے میں دیگر انقلابات کا باعث بنی تھیں (1974ء ہندوستان، 1978ء افغانستان، 1979ء ایران)۔ اس کے بعد کے دور میں جب دنیا گلوبلائزیشن کے ذریعے مزید باہمی منسلکیت میں جڑی ہے اس کیفیت میں خطے کے کسی ایک ملک میں انقلابی تبدیلی اس دور سے آج کہیں زیادہ گہرے اور دور رس اثرات تمام ممالک میں مرتب کرے گی۔ ایسے میں جنوبی ایشیا کی سوشلسٹ فیڈریشن کا تناظر کسی بھی ملک کے انقلاب سے کٹا ہوا اور طویل مرحلوں پر محیط نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سوشلسٹ انقلاب پہلے سرمایہ داری کے کسی ایک سیاسی یونٹ یا ملک میں برپا ہوتا ہے اور پھر یہ علاقائی یا عالمی انقلاب کی جانب بڑھتا ہے۔ لیکن اس دورانیے کو

سٹالنزم کے ایک ملک میں سوشلزم کے نظریے کے تحت ''قومی سوشلزم'' بنا کر ایک طبقاتی انقلاب کی قومیاتی زوال پذیری کا باعث بنا دیا گیا۔ جس کی ٹوٹ پھوٹ اور انہدام سے مارکسزم، کمیونزم اور انقلابی سوشلزم کو رسوا کیا گیا۔ اس حوالے سے یہ زور دینا ضروری ہے کہ سوشلسٹ انقلاب کے تجزیے اور تناظر کو مرتب کرنے کے عمل میں مارکسی بین الاقوامیت کو آغاز سے ہی انقلابی پارٹی کے لیے ملحوظِ خاطر رکھنا لازم ہوتا ہے۔

سوشلسٹ انقلاب ایک حوالے سے دنیا کی تاریخ کا سب سے مشکل انقلاب ہے۔ اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نسل انسان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حکمران طبقہ معاشرے کی اقلیت پر نہیں بلکہ اکثریتی محنت کش طبقے پر مبنی ہوگا۔ کروڑوں کو شعوری طور پر اس نہج پر پہنچانا کہ وہ نئے سماج کو مشترکہ طور پر چلا سکیں اور اجتماعی اقتدار میں مزدور جمہوریت کی بنیادوں پر منظّم ہو سکیں اور معاشرے کو تیز ترین ترقی دے سکیں ظاہری طور پر مشکل نظر آتا ہے اور حکمران طبقے کے ''پڑھے لکھے'' خواتین و حضرات اور ''ماہرین'' کی مبالغہ آرائی کے پراپیگنڈے سے خدشات شاید بڑھ جاتے ہوں۔ لیکن ایسے عمل کا آغاز بالشویک انقلاب نے کیا تھا اور اسکی تکمیل اس وقت بھی اور آج بھی مارکسزم کی بین الاقوامیت میں مضمر ہے۔ پاکستان جیسے ممالک میں جس طرز سے صنعتی وسماجی ارتقا سرمایہ داری کے تحت ہوا ہے اس میں جہاں پسماندگی ہے، وہاں جدید ترین ٹیکنالوجی پر مبنی صنعت بھی ہے اور اس میں کام کرنے والے محنت کش بھی ہیں جن کے شعور کا تعین ان کے کام کے آلات اور حالات کی تیکنیکی اور سائنسی بنیادیں کرتی ہیں۔ اسی لیے مارکسزم سماج کو سب سے پہلے طبقات میں تقسیم کر کے اس کا تجزیہ کرتا اور انقلاب ان طبقات کا تعین کرتا ہے۔ معاشرے میں صرف امیر اور غریب طبقات نہیں ہوتے بلکہ جہاں حکمرانوں میں سرمایہ دار و جاگیردار، نودولتیے، سمگلر اور دوسری مختلف پرتیں ہوتی ہیں، اسی طرح ''عوام'' میں بھی بے زمین کسانوں، مزارعوں اور جدید پرولتاریہ جیسے مختلف طبقے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مارکسزم کے مطابق جدید صنعتی پرولتاریہ ہی وہ طبقہ ہے جو نہ صرف انقلاب کی قیادت کرتا ہے بلکہ انقلاب کے برپا ہونے کے بعد نئی سوشلسٹ ریاست کو چلانے اور معاشرے کو اشتراکی خطوط پر منظّم و متحرک کرنے میں ہراول اور فیصلہ کن کردار ادا کرتا

ہے۔اسی جدید صنعت اور ٹیکنالوجی پر کام کرنے کی بدولت اس کو اشتراکیت کا سبق ملتا ہے جہاں پیداوار انفرادی نہیں بلکہ مشترکہ عمل ہوتا ہے اور یہی اشتراک، مزدور جمہوریت کا محور، نئے معاشرے اور ریاست کو چلانے کی بنیاد بنتا ہے۔

ایک سوشلسٹ انقلاب میں بنیادی طور پر سب سے پہلے جو فریضہ سرانجام دیا جاتا ہے وہ تمام شعبوں میں ذرائع پیداوار (صنعت، زراعت، سروسز) کے رشتوں کی ملکیت کی تبدیلی کا ہوتا ہے۔ یہ سب سے فیصلہ کن اقدام ہوتا ہے جس میں پیداوار کا مقصد منافع اور شرح منافع سے تبدیل کر کے انسانی اور سماجی ضروریات کی تکمیل کی جانب موڑ دیا جاتا ہے۔اس سے ہر قدر، ہر تعلق، ہر رشتہ، ہر رتبہ اور ہر ریت یکسر تبدیل ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ یہ صرف اس انفرادی ملکیت کے خاتمے اور اجتماعی ملکیت کے آغاز سے ہوتا ہے جس سے سماجی سوچ،نفسیات، رویے اور احساس بدل جاتے ہیں۔انسان کے انسان بننے کے عمل کا آغاز ہوجاتا ہے۔اس کی پہچان، شناخت اور انسان ہونے کا مقام ہر فرد کو ملنا شروع ہوجاتا ہے۔

ہر انقلاب فتح مند نہیں ہوتا۔ بلکہ پچھلے عرصے میں انقلابات کی بھاری اکثریت کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوسکی تھی۔لیکن کسی انقلابی صورتحال کے سماج میں جنم لینے کی صورت میں پورے معاشرے کے ہر فرد اور اسکی رگوں اور شریانوں میں ایک نفسیاتی تبدیلی ضرور پیدا ہوچکی ہوتی ہے۔ جسکا اظہار تحریک میں اور عمومی طور پر معاشرے میں لوگوں کے رویوں، جذبوں، جرات، مایوسی کے چھٹ جانے‘ امید کے اجاگر ہونے اور وہ کچھ کر گزرنے کے حوصلے کے ابھرنے سے ہوتا ہے جو عام معمول کے حالات میں دیکھنے کو ہی نہیں ملتا۔

لینن نے سماج میں ایک انقلابی صورتحال کے بارے میں جو عمومی نشانیاں مرتب کی تھیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔حکمران طبقات میں ٹوٹ پھوٹ میں اضافہ ہوجاتا ہے اور تضادات کے پھٹ کر منظر پر آنے سے عوام میں ان کی اصلیت اور کردار کے بے نقاب ہونے کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔

2 ۔ درمیانہ طبقہ جو عمومی طور پر سماج اور انقلاب میں کسی ہراول کردار کا متحمل نہیں ہوتا اس کا

ہیجان اور بے چینی بڑھ جاتے ہیں۔ وہ تیزی سے ایک سے دوسری سمت گردش کرنا شروع کر دیتا ہے۔اس کی یہ انتشاری کیفیت بہت شدت اختیار کر جاتی ہے۔ وہ انقلاب اور ردِانقلاب کے درمیان تیزی سے اپنی حمایت اور رخ بدلنا شروع کر کے تحرک کا شکار ہو جاتا ہے۔

3۔محنت کش طبقے میں ایک نیا ادراک اور اپنی طاقت کا احساس پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔عوام کی عمومی سماجی سوچ جو معاشی کیفیات کے احساس سے پچھڑ کر چل رہی ہوتی ہے۔اسے معاشی وسماجی حقائق کا ادراک ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جب یہ پچھڑی ہوئی سوچ اور شعور ان معاشی حقائق کی اصلیت سے اجاگر ہو جاتے ہیں تو انقلاب شدت سے پھٹ اٹھتا ہے۔

4 ۔حکمرانوں کی موجودہ بورژوا ریاست کے درمیان تضادات کی شدت بہت بڑھ جاتی ہے اور اس کا سماجی کنٹرول واختیار سکڑنا شروع ہو جاتا ہے۔سماجی عوامل پر اس کی دسترس کمزور ہونا شروع ہو جاتی ہے۔جس سے ریاستی انتشار مزید بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔

5 ۔اگر ایک مارکسی انقلابی پارٹی موجود ہو تو اس ابھرتی ہوئی تحریک کو اس کے اپنے تجربات اور بدلتی ہوئی نفسیات وشعور کے مطابق ایک پروگرام اور لائحہ عمل دے کر اسکو انقلابی سرکشی کے لیے منظّم ومتحرک کرتی ہے۔اگر یہ پارٹی ریاست کے اندر ایک ریاست کے مضبوط رضا کارانہ ڈسپلن،ٹھوس اور جامع نظریات سے مسلح ہو اور اس کا عمومی تناظر درست ہو تو یہ اس طبقاتی جدوجہد کو فتح سے سرفراز اور انقلابی چوٹی کو سر کرنے کا فریضہ مکمل کر سکتی ہے۔ مارکسزم نہ ہی جبریت کی سوچ پر مبنی ہے اور نہ ہی ایک تخیل یا پہلے سے پیدا کردہ تعصب پر مبنی ذہنیت کے تحت حالات وواقعات کے عمل پیرا ہونے اور ان کے تناظر کو تخلیق کرنے پر مبنی سائنس ہے۔اسی لیے انقلابات کی حتمی تصویر کشی کرنا بھی ایک غیر سائنسی طریقہ کار ہے بلکہ مارکسزم تاریخ کے تجربات، معاشی صورتحال، اسکے تناظر اور سماج کے تغیر اور ارتقا کے عمل کو پرکھ کر ان کا ہر پہلو اور ہر زاویے سے جائزہ لے کر اور ان کی عمومی سمت اور عروج وزوال کا تناظر بنا کر کسی بھی انقلابی عمل کے عمومی خطوط کو مرتب کرتا رہتا ہے۔ان میں مسلسل تخلیق، اضافہ اور عملی واقعات کے رونما ہونے سے جنم لینے والی تبدیلیوں کے اثرات کو مدنظر رکھتے ہوئے مارکسزم کسی بھی انقلابی عمل کا تناظر پیش کرتا ہے۔

مارکسزم بنیادی طور پر تناظر کی سائنس ہے جو پھر طب، فلکیات، معیشت اور دوسری بہت سی سائنسوں کی طرح نامکمل سائنس ہے۔ جس میں نئی تخلیق اور ترویج کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔

جہاں مارکس کے مطابق ''تمام تاریخ طبقاتی جدوجہد کی تاریخ ہے'' وہاں سرمایہ دارانہ نظام کے ظہور کے بعد شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ ہو جہاں انقلابات برپا نہ ہوئے ہوں۔ ان میں سے بہت سے انقلابات ایسے بھی ہیں جو فتح کی مختلف سطحوں کو حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہوئے۔ اسی طرح بہت سے انقلابات جہاں ناکام ہوئے وہیں زوال پذیر ہو کر ٹوٹ کر بکھر بھی گئے۔ مارکسزم نے نہ صرف انقلابات کے قبل از وقت تجزیے اور تناظر مرتب کئے بلکہ انقلابات کی زوال پذیری اور ان کے انہدام کی وجوہات اور تناظر کو ان واقعات کے جنم لینے سے دہائیوں پہلے مرتب کیا تھا۔ جسے تاریخ کی کسوٹی پر پرکھا گیا اور وقت نے ان کی سچائی کو ثابت بھی کیا۔

مارکسزم کے نزدیک بہترین کلاسیکی انقلاب لینن ٹراٹسکی کی قیادت میں اکتوبر **1917**ء کا روس میں برپا ہونے والا فتح مند انقلاب تھا۔ لیکن مارکسی استادوں نے صرف ایک انقلاب کی کامیابی اور زوال پذیری کے بلبوتے پر اس نظریے کو تخلیق اور جلا نہیں بخشی بلکہ محنت کشوں کے مختلف شکلوں میں ابھرنے والے انقلابات کے تجربات سے بھی نتائج اخذ کر کے مارکسزم کے نظریات کو مزید وسعت گہرائی اور مضبوطی دی۔ جس سے آنے والی نسلوں کیلئے مزید زیادہ آگے بڑھ کر انقلابات کرنے اور مختلف قسم کی نئی جدید اور پہلے کبھی نہ دیکھی گئی کیفیتوں اور حالات میں انقلابی لائحہ عمل اور طریقہ کار کو تخلیق کرنے کا گیان ملا جو آنے والے انقلابات میں مارکسسٹوں کی نسلوں کو کہیں زیادہ جدید اور ایڈوانس اوزاروں، ہنر اور صلاحیتوں سے مرصع کرتا ہے۔

سوشلسٹ انقلاب کا کوئی حتمی، آخری اور مکمل نسخہ نہیں ہوتا اور نہ کوئی ایسا نسخہ ہو سکتا ہے۔ ایسے نسخے صرف منفی، ساکت، مصالحتی فلسفوں اور ظاہریت پرستی کے تحت ہی ملتے ہیں۔ جدلیاتی مادیت ایسی تمام سوچوں کو غیر سائنسی قرار دے کر مسترد کرتی ہے۔ لیکن عمومی طور پر ایک کلاسیکی سوشلسٹ انقلاب کے عمل کے آغاز سے شروع ہو کر اس کے برپا کرنے کے طریقہ کار و لائحہ عمل اور اسکے فتح مند ہونے کے بعد سوشلسٹ ریاست کے قیام، پھر اس کے منتشر ہونے اور ریاست و

طبقات کے خاتمے کے بعد ایک کمیونسٹ سماج کے مطابق جدلیاتی مادیت کی فکر کے ذریعے مارکسزم عمومی تناظر اور خطوط بہت واضح انداز میں مرتب کرتا ہے۔

چونکہ بالشویک انقلاب ایک کلاسیکی مارکسی انقلاب کے قریب ترین تھا اس لیے اس انقلاب سے آنے والے دنوں کے انقلابات کو برپا کرنے، ان کو فتح سے ہمکنار کرنے اور پھر سوشلزم کی تعمیر میں بہت سے اسباق حاصل کیے جاسکتے ہیں۔لیکن اس سے بڑھ کر جہاں اسکی فتح یابی میں بہت سے اسباق پائے جاتے ہیں وہاں اسکی زوال پذیری کے مارکسی تجزیوں، جوخصوصاً ٹراٹسکی، ٹیڈ گرانٹ اور ایلن وڈز کی سوویت یونین کے انہدام سے دہائیوں پیشتر لکھی گئی تحریروں سے وہ مشعل راہ اور حکمت عملی حاصل ہوتی ہے کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد اس کے تحفظ، دفاع اور پھیلاؤ کے کیا طریقہ کار ہوسکتے ہیں۔

عمومی طور پر کوئی ایک اہم واقعہ بھی مخصوص صورتحال میں انقلابی ابھار کے پھٹنے کا موجب بن سکتا ہے۔اس انقلاب کی وجہ ظاہری طور پر تو شاید وہ واقعہ ہوتا ہے لیکن اسکی اصل بنیاد وہ حالات، تضادات اور عوامل ہیں جو سماج کی سطحوں کے نیچے مسلسل ایک تغیر میں اس نہج پر پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ ایک معیاری تبدیلی میں پھٹنے کے لیے پک چکے ہوتے ہیں۔ وہ واقعہ جنگ، ریاست کا عوام پر تشدد، کوئی قتل، کوئی بڑا دردناک حادثہ یا کچھ بھی ہوسکتا ہے۔لیکن سماج میں عمومی طور پر برسوں اور کئی مرتبہ دہائیوں تک ظاہری طور پر منجمد سوچ اور شعور کی کیفیت جس سکوت کا شکار ہوتی ہے اس سکوت کے اندر ایک انتشار کی آگ بھڑک رہی ہوتی ہے جو بظاہر نظر نہیں آ رہی ہوتی۔

عمومی طور پر انقلاب کا پہلا ریلا نوجوانوں اور طلبہ کے ابھار کی صورت میں آتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نوجوان کسی بھی معاشرے کا درجہ حرارت ناپنے والا بیرومیٹر ہوتے ہیں۔متعدد بار ایسے ہوتا ہے کہ معاشرے میں ایسی بڑی بڑی تحریکوں کو کوئی پذیرائی اور حمایت نہیں ملتی اور انقلاب کی چنگاری شعلہ بنے بغیر ہی بجھ جاتی ہے۔لیکن یہ پھر بھڑک اٹھتی ہے اور جب اسکی آگ شعلے بن کر معاشرے میں عوامی بغاوت بنتی ہے تو پھر ریاست اور سماج کے تمام اداروں اور پرتوں میں ایک ہلچل ایک گرمجوشی اور ایک تحریک تیزی سے ابھرنا شروع کر دیتی ہے۔زیادہ تر انقلاب

شہروں میں ابھرتا ہے لیکن یہ کوئی حتمی اصول نہیں ہوتا بلکہ کئی بار مضافاتی واقعات شہروں میں انقلاب کا پیام دیتے ہیں۔ بہرکیف یہ لازم ہے کہ انقلاب کا مرکز اور محور ہمیشہ شہری اور صنعتی مراکز ہی ہوا کرتے ہیں۔ کیونکہ سماج کی نفسیات، جو ہراول ٹیکنالوجی اورجدیدیت سے مرتب ہوتی ہے، اور معاشرے کی نسوں کا جہاں مڈبھیڑ یا سنگم ہوتا ہے وہ یہی ایڈوانس سماجی مراکز ہوتے ہیں۔ کئی مرتبہ معاشرے کے دوسرے استحصال زدہ طبقات اور درمیانے طبقے کے طلبہ کافی عرصے تک تحریکوں کو جاری رکھتے ہیں اور پرولتاریہ اس کا حصہ نہیں بنتا۔ لیکن انقلاب سب سے زیادہ طاقت اس وقت پکڑتا ہے جب پرولتاریہ اس میں شمولیت اور شراکت کرنا شروع کرتا ہے۔ لیکن پرولتاریہ بھی کوئی یکساں طبقہ نہیں ہوتا۔ اسکی بھی بہت سی پرتیں ہوتی ہیں جو شعور کے مختلف معیاروں اور سطحوں میں موجود ہوتی ہیں۔ لیکن ایک انقلابی صورتحال کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وقت بہت تیز ہو جاتا ہے۔ واقعات کا تسلسل اتنی تیز رفتاری اختیار کر جاتا ہے کہ سالوں میں ہونے والے واقعات دنوں میں رونما ہونا شروع کر دیتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا آنے والا ریلا پہلے سے بلند اور شدید موج کی طرح ابھرتا ہے۔ ان طوفانی لہروں کی شدت پورے معاشرے کی نفسیات اور سوچوں کو اتنی شدت سے جھنجھوڑتی ہے کہ عمومی طور پر پورے معاشرے کا اجتماعی شعور برق رفتاری سے تبدیل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ لوگوں میں وہ جرات، دلیری، بہادری اور حوصلہ آجاتا ہے جس کا ان کو خود اپنی ساری زندگی ادراک نہیں ہوا ہوتا۔ اس شعور کی برق رفتار تبدیلی کی پہلی ضرب سوچ کے ان تعصّبات پر لگتی ہے جن کے ذریعے محنت کش رنگوں، نسلوں، قوموں، مذہبوں، فرقوں، صنعتوں، شعبوں، زبانوں اور دوسری لاتعداد تفریقوں کی عنادوں میں مجروع ہو کر طبقاتی محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انقلاب میں پہلے پرولتاریہ کے ہراول دستے داخل ہوتے ہیں لیکن پھر کئی مرتبہ ایسے بھی ہوتا ہے کہ نسبتاً پست پرتیں ایک نئے انقلابی ریلے کے زور پر ان ہراول پرولتاریہ کے دستوں سے بھی آگے نکل جاتی ہیں۔ عمومی طور پر انقلاب سے پیشتر مزدور تحریک نسبتاً زیادہ پسپائی کا شکار نظر آرہی ہوتی ہے۔ ہڑتالیں بہت کم ہو رہی ہوتی ہیں، مزدور ظاہری طور پر زیادہ مجبور اور بے بس ہو کر مزید

استحصال کی ذلت کا شکار ہوتے جاتے ہیں۔لیکن پھر مزدوروں کی ایک نئی نسل نئی قسم کی ہڑتالوں کو جنم دیتی ہے جو روایتی قیادتوں کی گرفت سے آغاز میں ہی نکل رہی ہوتی ہیں۔ان ہڑتالوں میں کہیں زیادہ حریت پسندی، غیر مصالحتی اور جرات مندانہ رجحانات حاوی ہوتے ہیں۔

یہ ہڑتالیں صرف مزدوروں تک محدود نہیں ہوتیں بلکہ طلبہ کی تحریکوں کی شدت بڑھنے سے تعلیمی اداروں کی ہڑتالیں بہت اہمیت اختیار کر جاتی ہیں۔انقلاب کے ابتدائی مراحل میں ان طلبہ کی بغاوتوں کا سماج کی زیادہ وسیع پرتوں پر اثر پڑتا ہے اور معاشرے میں بغاوت کے رجحانات کو زیادہ شدت سے تقویت ملتی ہے۔

لیکن پھر یہ ہڑتالیں آپس میں موجود رشتوں کو زیادہ قریب سے جانچنا شروع کر دیتی ہیں۔ان کے مشترکہ مقاصد کا ادراک ذہنوں میں بڑھنے لگتا ہے اور ان کے اشتراک سے پورے سماج میں جو ہلچل پیدا ہوتی ہے وہاں نہ صرف ریاست کے ادارے بلکہ ہر گھر، ہر خاندان میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔گفتگو کے موضوعات بدلنا شروع ہو جاتے ہیں۔سوچ وسیع، بڑی اور دلیر ہونا شروع کر دیتی ہے۔گھٹیا سیاست اور حکمرانوں کے بارے میں گفتگو کمزور پڑنا شروع ہو جاتی ہے۔شادیوں اور رشتوں کی غیبتوں کی بجائے موضوعات کے معیار بلند ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ایک نئی سیاست ایک نئے سماج اور تبدیلی کو زیادہ شدت سے جانچنے اور محسوس کرنے کی جستجو بڑھ جاتی ہے۔ایک خوشی، ایک راحت کا نیا احساس ابھرنے لگتا ہے۔گھریلو جھگڑے، خاندانی تنازعے، ذاتی نفرتیں اور حقارتیں دم توڑنے لگتی ہیں۔مذہبی اداروں اور عبادت گاہوں میں خطبوں اور درسوں میں یہ رجحانات داخل ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔تخیلاتی مظاہر اور توہماتی تصورات کے ذریعے صرف جمود کے ادوار میں لوگوں کے شعور کو شل اور وجدان کی محبتوں میں غرق کیا جا سکتا ہے۔سماج میں ہلچل اور انقلابی طوفانوں میں یہ ممکن نہیں رہتا۔ایک تبدیلی کا احساس پورے معاشرے کو ایک نئی امنگ دیتا ہے اور مایوسی، بدگمانی، بیزاری، زہریلے طنز، باہمی شکوک وشبہات، خدشات اور خوف ٹوٹنے لگتے ہیں۔

فوج، پولیس اور دوسرے اداروں میں انقلاب کے بارے میں چہ مگوئیاں ہونے لگتی ہیں۔

غیر سرکاری گفتگو سرکاری معمول کو کاٹنے لگتی ہے۔ یہ انقلابی رجحان ریاست کے ہر ادارے اور ڈھانچے میں سرائیت کر رہا ہوتا ہے۔ صرف حکمران طبقات اور ریاست کے اعلیٰ فوجی اور غیر فوجی افسران جو دراصل سماج کی اقلیت ہوتے ہیں وہ درحقیقت ایک معاشرتی اقلیت میں تبدیل ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔

لیکن انقلاب کے اگلے مرحلے میں معاشی اور دوسرے مطالبات کے ساتھ سیاسی مطالبات کے اشتراک پر مبنی مزدور تحریک اپنے کلاسیکی اور روایتی مزاحمت کے طریقہ کار عام ہڑتال کی جانب بڑھنا شروع ہوجاتی ہے۔ 24 یا 48 گھنٹے کی عام ہڑتالیں کبھی بڑی کامیابیاں حاصل نہیں بھی کر پاتیں لیکن انقلاب کی اپنی قوت محرکہ اس عمل کو پسپا نہیں ہونے دیتی، آگے بڑھاتی رہتی ہے۔ اس ساری تحریک میں جوں جوں احتجاج بڑھتے ہیں، مظاہروں میں شدت آتی جاتی ہے، سماج کی زیادہ سے زیادہ پرتیں انقلابی عمل میں شریک ہورہی ہوتی ہیں تو حکمران طبقات کے سنجیدہ حصے اس خطرے کو بھانپتے ہوئے اس کو زائل کرنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے اختیار کرنے لگتے ہیں۔ پہلے جبر کرتے ہیں۔ پھر جبر سے کام نہ چلے تو کچھ مطالبات مان کر اس کو زائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ایک انقلابی صورت حال میں جبر اور رعائتیں دونوں ہی ان کے لیے منفی ثابت ہوتی ہیں۔ جبر اشتعال اور بغاوت کو بھڑکانے کا باعث بنتا ہے تو اصلاحات اور رعایتیں اعتماد اور جرات میں اضافے کا موجب بن جاتی ہیں۔

ایسے میں صرف حکمران طبقات بے نقاب نہیں ہوتے بلکہ طلبہ، نوجوانوں اور محنت کشوں کے ٹریڈ یونین اور روایتی سیاسی راہنماؤں کی پرکھ بھی ہورہی ہوتی ہے۔ بہت سے نام نہاد لیڈر حکمرانوں سے مذاکرات میں مفاد پرستی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اصلاح پسندی کو اپنا کر مفاد پرستی میں غرق ہوجاتے ہیں لیکن ابھرتے ہوئے انقلاب کی صورتحال میں یہ مصالحت ان کی کبھی سیاسی اور کبھی جسمانی موت بھی بن جاتی ہے۔ انقلابی حالات میں محنت کشوں سے غداری بہت مہنگی پڑ سکتی ہے۔ لیکن دوسری طرف بہت سے تنگ نظر اور درمیانے طبقے کے بے صبرے اور کھوکھلے لیڈر انتہا پسندی میں طبقے کے ہراول دستوں کو نسبتاً پچھڑے ہوئے دستوں سے کٹوانے

کا باعث بن کر طبقاتی جدوجہد میں پھوٹ کا موجب بن جاتے ہیں جس سے عارضی یا لمبی پسپائی بھی ہوسکتی ہے۔ اس لیے مارکسزم کے تحت انقلاب کی جدوجہد مسلسل مفاد پرستی اور مہم جوئی کے خلاف ایک جنگ بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ دونوں رجحانات طبقاتی جدوجہد کے لیے زہرِ قاتل بن سکتے ہیں۔

لیکن انقلاب میں فیصلہ کن مرحلہ ایک مکمل ہڑتال کا ہونا ہے جب پورا پہیہ جام ہوجاتا ہے اور سارا معاشرہ مفلوج ہوکر رہ جاتا ہے۔ حکمران ریاست کو پہلی مرتبہ اپنی شکست، اپنے وجود کے قائم نہ رہ سکنے کا واضح سندیسہ مل جاتا ہے۔ حکمران اس کو توڑنے کے لیے ہر ہتھکنڈے کی انتہا کردیتے ہیں۔ اسی لیے ایک عام ہڑتال کسی بھی انقلابی پارٹی کے لیے سب سے کٹھن امتحان ہوتی ہے کیونکہ نہ صرف یہ انقلاب کی جانب ایک فیصلہ کن قدم ہوتی ہے بلکہ اس کے برپا ہوجانے سے براہِ راست ریاستی طاقت اور اقتدار کا سوال اٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس انقلابی جنرل سٹرائیک (عام ہڑتال) میں ٹرینیں بند ہوجاتی ہیں، مواصلات کٹ جاتے ہیں، حکمرانوں کے ایوانوں اور امرا کے محلات میں بجلی، پانی اور گیس کٹ جاتی ہے، سرحدیں بند ہوجاتی ہیں، ہوائی اڈے، بندرگاہیں اور ٹرانسپورٹ حکمرانوں کے لیے مسدود کردی جاتی ہیں، فیکٹریوں اور ملوں پر مزدوروں کا قبضہ ہوجاتا ہے۔ غرضیکہ سماج، صنعت وحرفت اور معیشت کا ہر ادارہ اس کے چلانے والے روک دیتے ہیں۔ جب وہ روک سکتے ہیں تو پھر اس کو اپنے اختیار میں بھی لا سکتے ہیں۔ حکمرانوں کی گرفت سے آزاد ہوکر سماج کی شریانوں میں دوڑتے ہوئے مزدوروں کی محنت کے لہو کو اسکی آزادی اور اختیار مل جاتا ہے۔

لیکن کوئی بھی عام ہڑتال خصوصاً پاکستان جیسے ملک میں اس وقت تک مکمل اور کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس میں مزارعوں، کسانوں اور دیہی آبادی کی شراکت نہ ہو۔ پچھلے 65 سال میں سرمایہ داری کی ناہموار طرزِ ترقی نے دیہی علاقے میں جاگیرداری کا خاتمہ کرنے کی بجائے رشتوں کو اور بھی پیچیدہ کردیا ہے۔ جہاں جاگیرداری کی باقیات موجود ہیں وہاں انتہائی بے ہودہ سودی اور نیم سرمایہ دارانہ زراعت کے رشتوں نے جنم لیا ہے۔ جن سے دیہی آبادی کی ذلتوں میں

اضافہ ہوا ہے اور ان کی زندگی پہلے سے بھی زیادہ اذیت ناک ہوگئی ہے۔ لیکن جیسا کہ 69-1968ء کا تجربہ ہمیں سکھاتا ہے کہ شہروں میں ابھرتی ہوئی انقلابی تحریک برق رفتاری کے ساتھ دیہی علاقوں میں مالاکنڈ سے اندرون سندھ تک پھیل گئی تھی۔ دیہی علاقوں میں ہمیں بے زمین کسانوں اور مزارعوں کی انقلابی سچائیوں کا تیزی سے ابھرنے کا رجحان نظر آیا تھا۔ امراء، جاگیرداروں اور وزیروں کو جس گھیراؤ اور جلاؤ کی یلغار کا سامنا تھا وہ اسی انقلابی ریلے کی پیداوار تھی۔ دیہی رشتوں کے اس طرح سے مجروح اور بگاڑ پیدا ہونے کے باوجود عمومی شعور شہری شعور سے وسیع تر حصوں میں بہت قریب آ گیا ہے۔ جہاں بجلی و پانی کی سپلائی اور گیس کی مسلسل قلت اور فقدان ہے وہاں ٹیلی ویژن اور موبائل فونوں نے اس ناہموار مگر عمومی طرز ارتقا میں نہ صرف تفریق کو بڑھایا ہے بلکہ پسماندگی کو مٹانے کی بجائے اس میں جدیدیت کے آلات ڈال کر اس کو پیچیدہ کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اب عمومی طور پر پسماندگی خصوصاً انقلابی کیفیات میں سیاسی اظہار اس کے الٹ کرتی ہے۔ یعنی دیہی علاقوں میں بھی انقلابی رجحانات اسی ناہموار طرز ارتقا سے بڑھے ہیں کم نہیں ہوئے۔ سماجی طرز ارتقا نے جو معاشی ناہمواری پیدا کی ہے اس کی عکاسی ہمیں اس کی سیاسی ناہمواری میں ملتی ہے جہاں اتنی پسماندگی سے ہمیں آبادی کے جدید سیاسی رجحانات کی جانب چھلانگوں کے بہت سے رجحانات نمایاں طور پر ملتے ہیں۔ اس پس منظر میں حکمران ایک سکوت اور جمود کے عہد میں تو ووٹ خرید یا جبر سے حاصل کر سکتے ہیں لیکن ایک ابھرے ہوئے سماج میں ان دیہی علاقوں کی بغاوت حکمرانوں کے لیے بربادی کا بہت بڑا اوزار بنے گی۔

یہی کیفیت ہمیں ریاستی اداروں میں ملتی ہے۔ یہاں بھی شعور سماج میں اس کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ پوری مماثلت رکھتا ہے۔ ریاست کے مختلف اداروں میں جہاں دوسرے تضادات ابھر رہے ہیں طبقاتی تفریق اپنی پوری شدت کے ساتھ موجود ہے۔ کالی دولت کی سرائیت نے ان طبقاتی تضادات کو مزید بھڑکایا ہے۔ وقتی طور پر مذہبی، قومی اور دوسرے تعصبات سے ان کو دبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن کب تلک؟ وقتی طور پر یہ اس مشکل اور نیم رجعتی معروض میں دبی ہوئی ہے لیکن اندر سے یہ ایک لاوے کی طرح سلگ رہی ہے۔ حکمران طبقات ریاستی جبر کا استعمال ایک

حد تک کر سکتے ہیں۔ فوج سماج سے کاٹ کر رکھے جانے کے باوجود آخری تجزیے میں اسی معاشرے کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک پسپا تحریک والے سماج میں ریاستی جبر کو استعمال کرنا اور ہے لیکن ایک انقلابی بغاوت میں ابھرے ہوئے سماج میں یہ بالکل الٹ ہو جاتا ہے۔ حکمرانوں کے مفکر اور ذرائع ابلاغ یہ شور مچاتے نہیں تھکتے کہ سوشلسٹ انقلاب ایک خونریز عمل ہے۔ یہ بہتان بھی شدت کے ساتھ لگایا جاتا ہے کہ سوشلزم ایک آمریت اور آزادیوں کو سلب کرنے کا نام ہے۔ پہلے تو یہ واضح کر دینے کی ضرورت ہے کہ تمام مورخ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ عظیم اکتوبر انقلاب کے دوران صرف 9 اموات ہوئی تھیں۔ ہزاروں لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا جرم 21 سرمایہ دارانہ ممالک کی سوویت روس پر فوجی جارحیت اور اسکے نتیجے میں جنم لینے والے قحط اور طاؤن کے سر تھا۔ دوسرے الفاظ میں سوشلسٹ انقلاب تقریباً ایک پرامن معاملہ تھا۔ لیکن جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے، سرمایہ دارانہ اور دولت کی جمہوریت آبادی کی 90 فیصد اکثریت کو درحقیقت اس ''جمہوریت'' سے نکال باہر پھینکتی ہے اور ان کا اس میں کوئی حقیقی کردار یا شنوائی نہیں ہوتی۔ جبکہ سوشلسٹ انقلاب میں گو ہراول کردار پرولتاریہ اور سپاہیوں کی پنچائتیں ادا کرتی ہیں لیکن یہ انقلاب اس وقت تک ممکن ہی نہیں ہوتا جب تک اس کو عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل نہ ہو۔ اس حمایت کے فقدان میں تو حکمران طبقات اور انکی ریاست انقلابی پارٹی اور ہراول پرولتاریہ کو خون میں نہلا دیتے ہیں۔ ایسا تاریخ میں کئی مرتبہ ہوا ہے۔ ایسے انقلابات بھی ہوئے ہیں جہاں فوجی افسران نے ریاستی بغاوتوں کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کر کے سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ کیا۔ سیاسی سائنس میں ان کو پرولتاری بوناپارٹسٹ ریاستوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لیکن یہ مارکسزم کے طریقہ کار اور نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے۔ مارکسی طریقہ انقلاب میں محنت کش عوام کی شعوری شراکت ایک لازمی جزو ہوتا ہے۔ اسی لیے ایک انقلابی پارٹی کا بنیادی فریضہ محض اقتدار جیتنا ہی نہیں ہوتا بلکہ محنت کشوں کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے سوشلسٹ انقلاب کے دوران جہاں انقلابی سرکشی کے فوجی پہلو کے لیے ایک خفیہ فوجی حکمت عملی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اس سرکشی کے لیے عوام کی حمایت

حاصل کر کے پارٹی کو محنت کشوں کا اعتماد اور اس پر سائنسی یقین درکار ہوتا ہے۔ لیکن ایک لیننن اسٹ پارٹی کبھی بھی جعلی بنیادوں، جھوٹ، فریب، نعرہ بازی اور انفرادی مقبولیت پرستی کی بنیاد پر عوام کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتی اس سے انقلاب کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مارکسزم اتنا ناقابل تسخیر صرف اس لیے ہے کیونکہ وہ سچ ہے اور سچ کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ یہ کوئی اخلاقی یا جذباتی مسئلہ نہیں، جمہوریت کی رنگ بازی نہیں بلکہ انقلابی عمل میں محنت کشوں اور نوجوانوں کی پوری سمجھ بوجھ کے ساتھ شعوری شراکت سے ہی انقلاب کو وہ ٹھوس بنیادیں میسر آسکتی ہیں جن کے بغیر محنت کشوں کی طاقت کی سماجی عمارت تعمیر نہیں ہو سکتی۔

پارٹی اور قیادت اسی طاقت کو منظم اور متحرک کرتی ہے اس طرح عوام کی تحریک اور پارٹی کا رشتہ بھاپ اور انجن کے پسٹن کا ہوتا ہے۔ دونوں ریل گاڑی کو چلانے کے لئے ناگزیر ہوتے ہیں۔ عوام کی اس طاقت کو اتنی وسعت، حوصلہ اور عزم دے کر ہی وہ ناقابل تسخیر قوت تعمیر کی جاسکتی ہے جو اس خونخوار ریاست اور درندہ صفت سامراج اور اس کے حواری حکمران طبقات کو شکست فاش دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن جمہوریت حکمرانوں کے پر تعیش ایوانوں میں مسدود نہیں ہوتی بلکہ گلیوں، بازاروں، کچی آبادیوں، کھیتوں، کھلیانوں، دیہاتوں، فیکٹریوں اور بیرکوں میں محنت کش طبقے کی مختلف پرتوں کی پنچایتوں میں منظم ہوتی ہے۔ دنیا کے تمام بڑے انقلابات میں ہمیں پیرس کمیون سے بالشویک انقلاب تک ان پنچایتوں کا تحریک کے دوران ابھر کر اس کو تنظیمی شکل اور ڈھانچوں میں منظم کرنے اور انقلاب کی منتظمی کا کردار جنم لیتا ہوا ملتا ہے۔

انقلاب میں محنت کشوں کا تشدد اور خونریزی میں کوئی مفاد اور مقصد نہیں ہوتا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی انقلاب میں رائج الوقت حکمران طبقات نے کبھی بھی رضا کارانہ طور پر اقتدار، دولت، وسائل اور مراعات نہیں چھوڑیں۔ چاہے ان کے نظام کا وقت کب کا گزر ہی کیوں نہ گیا ہو۔ اس لیے وہ جب اصلاحات میں ناکام ہو جاتے ہیں تو جبر کی انتہا کر دیتے ہیں جنگیں، خانہ جنگیاں، بلوے، فسادات، دہشت گردی اور خون ریزی کرواتے ہیں۔ پاکستان میں بھی وہ یہ کہیں زیادہ بڑے پیمانے پر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سوال یہ ہے ان کو وقت اور حالات اس کی

اجازت دیں گے یا نہیں۔ایک انقلابی صورتحال میں فوج اور ریاست میں مارکسی پارٹی کا کام اور کردار بہت ہی فیصلہ کن اور کلیدی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ان اداروں میں جو طبقاتی کشمکش اور تفریق موجود ہے اس کو آگے لانا، اس کو اصل تضاد کے طور پر سمجھانا اور اس کے گرد نچلی پرتوں کو منظّم کرنا بہت ہنر مندی اور جرات کا تقاضا کرتا ہے۔لیکن انقلاب کی فتح میں آخری اور فیصلہ کن کردار فوج اور ریاست میں اس طبقاتی معرکے میں ہی ہوگا۔

پاکستان کی موجودہ صورتحال کیا ہے اور اس کا تناظر کیا بنتا ہے ۔اسکی تفصیلات ہم اس کانگریس (2012ء) کی مجوزہ دستاویز نمبر3 ''پاکستان تناظر'' میں پیش کر چکے ہیں ۔کوئی بنیادی مسئلہ نہ صرف حل نہیں ہوا بلکہ پچھلے 65 سال میں یہاں کے عوام کی حالت زار میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا ہے۔زندگی کی ذلت بد سے بدتر ہوگئی ہے۔زرعی انقلاب سے قومی سالمیت تک کوئی فریضہ پورا نہیں کیا جاسکا۔اس ملک کے حکمران طبقات میں مالیاتی، معاشی، تاریخی، ثقافتی، سیاسی اور تہذیبی طور پر کبھی اہلیت ہی نہیں تھی کہ وہ یہاں صنعتی انقلاب برپا کر کے پاکستان کو ایک جدید قومی ریاست بنا سکیں۔اب وہ خود ہار مان گئے ہیں اور پہلے زخموں پر نئے زخم لگا کر پورے معاشرے کو ایک نیا درد اور زیادہ اذیت ناک کرب ہی دے رہے ہیں۔ایسے میں موجودہ نظام میں کسی بہتری، کسی خوشحالی اور کسی ترقی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔زندگی مزید بربادیوں کا شکار ہوگی۔اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے پورا سماج اور اس کے تمام ڈھانچے اکھاڑ کر ایک نئے سوشلسٹ سماج کو جنم دینے کے علاوہ نجات کا کوئی راستہ نہیں۔

لیکن یہاں برپا ہونے والا سوشلسٹ انقلاب اس ملک کی اس حالت اور اس جغرافیے کو تبدیل کر کے ہی سرخرو ہوسکتا ہے۔نظام اس حد تک گل سڑ چکا ہے کہ یہاں کے عوام کے لیے ناسور بن کر معاشرے کو ایک مردار حالت میں لے آیا ہے۔اس کو جس جراحی کی ضرورت ہے وہ محض سوشلسٹ انقلاب ہی ہے۔

سوشلسٹ ریاست کی ساخت اور کردار

موجودہ اور مروجہ ریاست کا فلسفہ، ڈھانچہ اور ترتیب سرمایہ داروں اور ان کے نظام کے تحفظ پر مبنی ہے۔اس سے بالکل مختلف اور تبدیل شدہ سماجی اور معاشی نظام کسی طور اس قسم کی ریاست کے ہوتے ہوئے نہیں چلایا جا سکتا۔حقیقت یہ ہے کہ مروجہ ریاستی ڈھانچہ اپنے موجودہ کردار اور شکل و صورت میں ہمیشہ سے ہی مزدوروں اور محروم انسانوں کی انقلابی تحریک کو کچلنے کی کوشش کرتا چلا آرہا ہے اور کرتا رہے گا۔سوشلسٹ انقلاب کو ہر حال میں موجودہ ریاستی ڈھانچے کو تہس نہس کرنا ہوگا اور اس کے اوپر نئی سوشلسٹ ریاست کے نئے ڈھانچے اور عمارت کو تعمیر کرنا ہوگا۔اپنی تاریخ ساز کتاب ''خاندان، ذاتی ملکیت اور ریاست کا آغاز'' میں عظیم مارکسی استاد فریڈرک اینگلز نے ریاست کے بارے میں اپنا تاریخی تجزیہ ان الفاظ میں سمیٹا تھا کہ ''ریاست ہر حوالے سے ایک ایسی مضبوط طاقت ہے جو سماج پر کسی اخلاقی عقیدے کی روشنی میں نہیں بلکہ ایک دلیل کی رو سے مسلط ہوتی ہے، جیسا کہ ہیگل نے کہا تھا اگرچہ یہ ترقی کے ایک مخصوص مرحلے پر سماج کے اندر سے پیدا ہوتی ہے۔مگر یہ اعتراف ہوتی ہے کہ سماج اپنے اندر ناقابل حل تضاد کا شکار ہو چکا ہے جس کے باعث یہ ناقابل مصالحت تصادم کی نہج پر پہنچ چکا ہے جس پر قابو پانا اس کے بس میں نہیں رہا۔مگر اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کہ یہ متحارب معاشی مفادات کے حامل طبقات خود کو اور سماج کو کسی بے معنی جدوجہد میں نہ الجھالیں، یہ لازمی ہو گیا کہ ایک ایسی طاقت کا ہونا ضروری ہے، جو سماج سے بالاتر ہو اور جو تصادم کو زیادہ شدید ہونے سے روکے اور اسے قانون اور نظم و نسق کے دائرے میں پابند رکھنے کی کوشش کرے۔اس طاقت کو سماج کے اندر سے ہی پیدا کر کے اسے سماج پر مسلط کر دیا جاتا ہے اور پھر اسے سماج سے زیادہ سے زیادہ الگ تھلگ اور بے پرواہ رکھا جاتا ہے، اس طاقت کا نام ہی ریاست ہے۔''

اس سے ریاست کے تاریخی کردار اور مفہوم کے حوالے سے مارکسزم کے بنیادی تصور کی مکمل وضاحت ہوتی ہے۔ریاست ناقابل مصالحت طبقاتی تنازعے کا اظہار اور پیداوار ہوتی

ہے۔ریاست وہاں جنم لیتی ہے جہاں طبقاتی جھگڑا یا تصادم معروضی حوالوں سے کسی فیصلے تک نہیں پہنچ پاتا۔اس کے برعکس ریاست کا وجود یہ ثابت کرتا ہے کہ طبقاتی تصادم نا قابل مصالحت ہوا کرتا ہے۔اپنی ابتدائی تحریروں میں مارکس نے ریاست کا ایک جامع تجزیہ تحریر کیا تھا۔''حقیقی تعلقات (سماج کا معاشی ڈھانچہ) کسی طریقے سے بھی ریاستی طاقت کے ذریعے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس کے برعکس وہی ریاست کو پیدا کرنے والی طاقت ہوتے ہیں۔ان حالات میں کام کرنے والے افراد بھی ریاست کی تشکیل میں کردارادا کرتے ہیں،انہیں بھی اپنی خواہش کو جس کا تعین مخصوص حالات کیا کرتے ہیں،ایک عالمگیر اظہار کے طور پر ریاست کی خواہش بنا کر پیش کرنا ہوتا ہے ایک قانون کے طور پر یہ ایک ایسا اظہار ہوتا ہے جس کا متن اس طبقے کے تعلقات مرتب کرتے ہیں؛سول اور فوجداری قوانین اس کی ممکنہ واضح ترین شکل ہوتی ہے''۔

(مارکس،جرمن آئیڈیالوجی،صفحہ 184)

سوویت یونین کے زوال اور دیوار برلن کے گرنے کے بعد شہروں کے درمیانے طبقے (اور ان کے ساتھ ساتھ) کے فیشن ایبل سوشلسٹوں میں یہ بات عام ہوگئی کہ سرمایہ دارانہ ریاست کا خاتمہ اور انقلاب کا ہونا اب محض دیوانے کا ہی ایک خواب ہے۔ایک بالشویک لیننسٹ پارٹی کی تعمیر وتشکیل،ایک جمہوری مزدور ریاست کا قیام اور سوشلسٹ انقلاب کا ایک متبادل راہ نجات ہونے کا امکان یہ سب پرانے کمیونسٹوں اور پاکستان پیپلز پارٹی کے سابقہ بائیں بازو کے لیے شجر ممنوعہ بن چکا ہے۔ایسا تاریخ میں کوئی پہلی بار نہیں ہو رہا۔ہر انقلابی پارٹی کو اس قسم کی ذلتوں اور حملوں کے ساتھ،اپنی انقلابی سوشلزم کے لیے جدوجہد کے دوران واسطہ پڑتا چلا آرہا ہے۔لینن نے اس قسم کے اصلاح پسند دانشوروں کے بارے میں سخت الفاظ میں لکھا تھا''یہ وہ بہرے ہیں جنہیں اپنے کان میں پڑنے والی آواز سمجھ نہیں آتی،آج بھی سوشل ڈیموکریسی کے موقع پرست اس بارے میں ایک حرف بھی سننا گوارہ نہیں کرتے کہ ریاستی طاقت اور اس کے خون چوسنے والے وحشی اقتدار کو تباہ و برباد کیا جاسکتا ہے۔واقعات کا بے رحم سلسلہ انقلاب کو مجبور کرتا ہے کہ وہ انسانوں کو محرومی اور ذلتوں کا شکار کرنے والی اس قوت پر اپنی توجہ مرکوز کرے جسے ریاست کہتے

ہیں۔ ریاستی ڈھانچے کو تقویت دینے کیلئے نہیں بلکہ اسے تہس نہس اور تباہ و برباد کرنے کیلئے۔ ہم خواب دیکھنے والے لوگ نہیں۔ ہم یہ نہیں سمجھتے کہ ایک ہی ہلے میں سب کچھ بدلہ جائے گا۔ یہ ایک انارکسٹ کا خواب ہوسکتا ہے جو پرولتاریہ کی آمریت کے اہداف کی بھونڈی تشریح کرتا ہے اور جس کا مارکسزم کے ساتھ کوئی لینا دینا نہیں۔ درحقیقت یہ لوگ سوشلسٹ انقلاب کو تب تک ملتوی کرنے کی کوشش کرنا چاہتے ہیں جب تک لوگ اس سے الگ نہ ہوجائیں۔ لیکن ہم سوشلسٹ انقلاب کے لئے برسرِ پیکار ہیں، لوگوں کے ساتھ مل کر اسی کیفیت میں جس میں وہ اس وقت موجود اور زندہ ہیں۔ جو لوگ اپنی اطاعت، اپنی غلامی اور اپنی مفاد پرستی ترک نہیں کرسکتے، انقلاب کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ وہ اطاعت جو محنت کش اور محروم طبقات کی مسلح محافظ بنے؛ وہ ایک آغاز ہوسکتا ہے اور اسے ہونا چاہیے، راتوں رات فوراً تاکہ جس سے ریاستی افسر شاہی کی خوئے حکمرانی کو سیدھے سادھے انداز میں معمولی کام کرنے والوں کے ذریعے ختم اور تبدیل کردیا جائے۔ یہ افسر شاہی جس قسم کے کام اور فرائض سرانجام دیتی ہے ایک عام مزدور میں بھی یہ کام کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔ ہم عام مزدور بڑے پیمانے کی پیداوار کو انہی بنیادوں پر کہیں بہتر منظم کریں گے جن پر۔۔ سرمایہ دارانہ نظام پہلے ہی کرتا چلا آرہا ہے۔ مزدوروں کے اپنے تجربات پر اعتماد کرتے ہوئے سخت اور آہنی نظم وضبط پیدا کرتے ہوئے جسے مسلح مزدوروں کی ریاستی طاقت کی تائید وحمایت حاصل ہوگی۔ انقلابی پارٹی کی حکومت ریاستی افسر شاہی کے کردار کو کم کرتی جائے گی۔ ان کے تجربے اور ہنر کو اپنی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے بروئے کار لائے گی۔ مگر ان بڑے بڑے بیوروکریٹوں کی تنخواہیں ہنر مند مزدوروں سے زیادہ نہیں ہوں گی اور ان سے انہی اجرتوں پر بہترین کام لیا جائے گا۔ یہ ہمارا پرولتاری فریضہ بنتا ہے۔ اسی سے ہم شروع کرسکتے ہیں اور ہمیں لازماً اسی سے ہی مزدور انقلاب کو مکمل کرنے کی ابتدا کرنی پڑے گی۔ اس قسم کے آغاز سے بڑے پیمانے کی پیداوار ممکن بناتے ہوئے بتدریج ہر قسم کی افسر شاہی کے خاتمے کا آغاز شروع ہوگا۔ یوں ایک ایسا نظم وضبط تخلیق ہوگا جو کسی کے لیے بھی مخصوص نہیں ہوگا۔ فوری طور پر تنخواہوں اور اجرتوں کا ایک ایسا نظام رائج کیا جائے گا جس سے اجرتوں کی غلامی کی نفسیات ختم ہوجائیگی۔ جس کے رفتہ

رفتہ سب کام کرنے والے عادی ہوجائیں گے اور آخر کار آبادی افسر شاہی جیسے مخصوص مراعات یافتہ حصے سے پاک صاف ہوجائیگی۔'' (لینن، ریاست اور انقلاب، صفحہ 53,32,49)

1968-69ء کے انقلاب کے عروج پر ہم نے اس عمل کی ابتدائی شکلیں پاکستان میں وقوع پذیر ہوتے دیکھی ہیں۔ جب انقلاب ریاست کے خلاف صف آرا تھا تو وہ علاقے جن کو ریاستی اقتدار کے قبضے سے آزاد کرالیا گیا تھا، گوکہ اس کی جگہ ایک متبادل نظام درکار تھا، ہمیں کارخانوں اور ان کے قرب و جوار یہاں تک دیہاتوں میں دیہی کمیٹیاں بنتی، منظّم ہوتی اور معاملات سنبھالتے دکھائی دیتی ہیں۔ مزدوروں اور ملکیت سے محروم عوام نے اجتماعی اور باہمی صلاح مشورے پر مبنی کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ یہ ایک ایسا نظام تھا جسے کچلے ہوئے عوام نے رضا کارانہ طور پر ہنسی خوشی قبول بھی کیا اور اس میں بھرپور شراکت کی اور اس کی حمایت بھی۔ عام انسان بھرپور طریقے سے اس سارے عرصے میں ان تمام انتظامی معاملات میں شریک ہوئے جب تک پاکستان میں دہرے اقتدار کی کیفیت موجود رہی۔ ایک سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی کے بعد دوہرے اقتدار کی کیفیت کو ختم کر کے اقتدار سرمایہ دارارانہ ریاست سے چھین کر مکمل طور پر سپاہیوں، مزدوروں اور کسانوں کی پنچائیتوں کو منتقل کر دیا جائے گا۔

پاکستان کو مزدوروں، کسانوں اور فوجیوں کی سوویتوں پر مشتمل سوشلسٹ جمہوریہ قرار دے دیا جائے گا۔ تمام مرکزی اور علاقائی اقتدار ان سوویتوں کو منتقل کر دیا جائے گا۔

پاکستان میں بننے والی نئی مزدور ریاست کو آزاد قومیتوں کی ایک رضا کارانہ فیڈریشن کے طور پر منظّم کیا جائے گا۔

مزدور ریاست کے قیام کے فوری بعد سماج کی طبقاتی تقسیم کے خاتمے کا اعلان کیا جائے گا جس سے انسان کے انسان کے ہاتھوں استحصال کا خاتمہ ہوگا، استحصال کرنے والے نظام ہی کو کچل دیا جائے گا اور ایک سوشلسٹ سماج کے قیام کا آغاز کیا جائے گا۔

سب سے پہلا اقدام زمین کی نجی ملکیت کے خاتمے کا ہوگا اور تمام زمین کو نئی مزدور ریاست کی ملکیت قرار دیا جائے گا۔ نجی مالکوں سے زمین بغیر کسی ادائیگی کے حاصل کی جائے گی۔

تمام جنگلات، زمین میں چھپے خزانے، پانی، ہر قسم کی مشینری و ساز و سامان اور جاگیریں قومی ملکیت قرار دے دی جائیں گی۔

ملک میں موجود تمام صنعتوں، کانوں، ریلوے سمیت پیداوار اور مواصلات کی ملکیت کو نجی ملکیت سے چھین کر قومی ملکیت میں دینے کے عمل کو مکمل کرنے کے لیے مزدور ریاست کا نیا آئین اور نئے قوانین بنائے جائیں گے اور ملکی معیشت کو منصوبہ بند بنیادوں پر چلانے کے لیے نئے ادارے بنائے جائیں گے۔

سوشلسٹ انقلاب کے بعد قائم ہونے والی مزدوروں کی حکومت گزشتہ حکومتوں کے عالمی مالیاتی اداروں سے لیے گئے تمام قرضوں کی تنسیخ کا اعلان کرے گی اور اس کے علاوہ تمام سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور ملکی بینکوں کے بین الاقوامی اداروں سے لیے گئے قرضوں کی بھی تنسیخ کا اعلان کرے گی اور عالمی سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی اور سرمائے کی حتمی شکست تک سختی سے اسی فیصلے پر قائم رہے گی۔

ملک میں موجود تمام بینکوں کو مزدور ریاست کی ملکیت میں دے دیا جائے گا جو محنت کشوں کو سرمائے کی غلامی سے آزاد کرانے کی اہم شرط ہے۔

ہر شخص کے لیے کام کرنا لازمی قرار دے دیا جائے گا جس سے سماج میں موجود طفیلیوں کا خاتمہ ہوگا اور ملک کی معیشت کو منظم کرنے میں آسانی ہوگی۔

محنت کش طبقے کی کامیابی اور اقتدار کی منتقلی کو یقینی بنانے کے لیے اور استحصال کرنے والوں کی اقتدار میں واپسی کے امکانات کو ختم کرنے کے لیے تمام محنت کشوں کو مسلح کیا جائے گا اور محنت کشوں کی ایک سرخ فوج تعمیر کی جائے گی اور سابقہ دور میں جائیداد کے مالک افراد کو غیر مسلح کیا جائے گا۔

سوشلسٹ جمہوریت

سوشلسٹ انقلاب کے بعد نجی ملکیت کے خاتمے اور منصوبہ بند معیشت کو قائم کرنے کے

لیے نئے ادارے تعمیر کرنے کی ضرورت ہو گی۔مارکس اور اینگلز نے کمیونسٹ مینی فیسٹو کے 1872ء کے ایڈیشن کے دیباچے میں لکھا تھا کہ''محنت کش طبقہ بنی بنائی ریاستی مشینری کو اپنے تصرف میں نہیں لاسکتا اور نہ ہی اسے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرسکتا ہے''۔اسے پرانی ریاستی مشینری کو تباہ کرنا ہوتا ہے اور اس کے ملبے کے اوپر ایک نئی مزدور ریاست تشکیل دینی ہوتی ہے۔اس مزدور ریاست میں سرمایہ دارانہ ریاست کی مکارانہ جمہوریت اور پارلیمنٹ کو ختم کر کے مالیاتی وسماجی تفریق کے بغیر حقیقی سوشلسٹ جمہوریت قائم کی جائے گی اور سوویت کے اداروں کے ذریعے منتخب اراکین قانون سازی اور فیصلے کریں گے۔جن میں ایک گاؤں یا محلے سے لے کر مرکزی سوویت تک کے حقیقی جمہوری ادارے اجتماعی رائے عامہ کے غلبے کو یقینی بنائیں گے۔

محنت کش طبقہ انقلاب کے مختلف مراحل طے کرتا ہوا جہاں اپنے لیے ایک طبقہ بنتا ہے اور سرمایہ دار طبقے کی حکمرانی کو اکھاڑ پھینکتا ہے وہاں زندگی کی ایک نئی روش قائم کرنے کے عمل کا آغاز کرتا ہے۔اس انقلابی عمل کے دوران سوویتوں یا پنچایتوں کا بننا ایک نئے نظام کے بیج بونے کے مترادف ہوتا ہے۔انقلاب کے بعد جہاں اقتدار مکمل طور پر ان سوویتوں کو منتقل ہو جاتا ہے وہاں ان اداروں کے اندر سرمایہ داری کے کچلے ہوئے طبقات انقلابی عمل کے دوران ہی اپنی آواز بلند کرنے، بحث کرنے، جمہوری انداز میں فیصلے کرنے اور نظم ونسق چلانے کے عمل کا آغاز کرتے ہیں اور زندگی کی ترتیب نو کرتے ہیں۔ایک انقلابی تحریک کے دوران عام نوجوان اور محنت کش گھنٹوں میں اتنا سیکھتے ہیں جتنا معمول کے عام ادوار میں دہائیوں میں بھی نہیں سیکھ سکتے۔

انقلاب کے بعد ان اداروں کو مضبوط کیا جائے گا اور انہیں زیادہ ٹھوس انداز میں منظم کیا جائے گا جس کی بنیاد روزمرہ کا مزدور کا ڈسپلن ہوگا۔یہ شاید مشکل لیکن انتہائی اہم فریضہ ہوگا جو اس نئے سوشلسٹ نظام کی بنیاد ہوگا۔انقلابی پارٹی کو محنت کشوں کے اجلاسوں والی جمہوریت کو کام کے دوران ان اداروں کے آہنی ڈسپلن کے ساتھ جوڑنے کا ہنر سیکھنا ہوگا۔ہر اجلاس میں ہونے والے جمہوری اکثریت کے فیصلوں کے بعد تمام لوگوں کو ان فیصلہ جات کو سوویت قیادت میں مکمل وفاداری اور تابعداری کے ساتھ سرانجام دینا ہوگا۔

اس جمہوریت کا سب سے پہلا اصول یہ ہوگا کہ صرف محنت کش اور ماضی کے استحصال زدہ افراد اپنی مکمل مرضی اور آزادی سے ووٹ ڈال سکیں گے۔ دوسرا، انتخابات کے لیے درکار تمام پابندیاں اور بیوروکریٹک رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی۔ لوگ خود انتخابات کے وقت اور ترتیب کا فیصلہ کریں گے۔ اس کے علاوہ منتخب شخص کو کسی بھی وقت واپس بلائے جانے کا اختیار ہوگا۔ تیسرے محنت کش طبقے کے ہراول دستے کی بہترین عوامی تنظیمیں بنانی ہوں گی یعنی وہ پرولتاریہ جو بڑی سطح اور ایڈوانس ٹیکنالوجی کی صنعت وحرفت کے اداروں میں کام کر رہا ہے وہ استحصال زدہ عوام کی قیادت کرے گا، انہیں سیاسی زندگی میں لے کر آئے گا اور اپنے تجربے سے ان کی سیاسی تربیت کرے گا۔ اس طرح پہلی دفعہ پوری آبادی انتظامی امور کے ہنر کو سیکھنے اور انتظام سنبھالنے کا آغاز کرے گی۔ یہ رائج الوقت سرمایہ دارانہ جمہوریت سے کہیں زیادہ اعلیٰ پیمانے کی جمہوریت ہوگی۔

پاکستان میں موجود بڑی تعداد میں پیٹی بورژوا یا چھوٹے سرمایہ داروں کی موجودگی اور پسماندگی کی وجہ سے اس کے اثرات مرتب ہونے کے بھی امکانات ہوں گے۔ پیٹی بورژوازی میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ سوویت کے منتخب ہونے والے ممبران کو ''پارلیمینٹیرین'' یا بیوروکریٹ میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا ان کے کردار کی ان سے مماثلت سمجھتے ہیں۔ ہمیں اس کا مقابلہ کرنا ہوگا اور اس کے لیے سوویت کے تمام افراد کو انتظامی امور میں عملی طور پر شریک کرنا ہوگا۔ ہمارا حتمی مقصد ہوگا کہ تمام غریب لوگوں کو عملی طور پر انتظامی معاملات میں شریک کریں اور اس سمت میں ہونے والے تمام اقدامات کا انتہائی محتاط انداز میں مشاہدہ کریں اور ایک مسلسل تجربے کے بعد انہیں قانون کی شکل دیں۔ مزدور ریاست کا مقصد ہوگا کہ ہر محنت کش اپنا روزانہ کا چھ گھنٹے کا پیداواری کام کرنے کے بعد ریاستی ذمہ داریاں بغیر کسی اجرت کے ادا کرے۔ یہ منزل ہی سوشلزم کے حتمی استحکام کو یقینی بنائے گی۔

سوشلسٹ انقلاب کے بعد قائم ہونے والی مزدور ریاست کے نظام حکومت کو پرولتاریہ کی آمریت بھی کہا جاتا ہے۔ آمریت کی اصطلاح عام طور پر فوجی ڈکٹیٹر شپ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جس کے دوران عوام پر بے پناہ مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ جبکہ پرولتاریہ کی آمریت

سماج کی اکثریت پر مشتمل محنت کش طبقے کی حکمرانی ہوگی جس میں بھوک، بیماری، ظلم اور استحصال کا خاتمہ کیا جائے گا۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کہ جب ہم اکثریت میں ہوں گے تو پھر آمریت کی ضرورت کیوں ہوگی۔ اس کے جواب میں مارکس اور اینگلز وضاحت کرتے ہیں کہ:

سرمایہ داروں کی مزاحمت کو توڑنا۔

رجعتیوں کو خوفزدہ کرنا۔

سرمایہ داروں کے خلاف مسلح عوام کی حاکمیت کو برقرار رکھنا تا کہ پرولتاریہ اپنے دشمنوں کو طاقت کے زور پر زیر رکھ سکیں۔

سرمایہ داری سے کمیونزم کی جانب عبوری دور ایک عہد پر مشتمل ہوگا۔ جب تک اس عہد کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک استحصال کرنے والے طبقات واپسی کی امید رکھتے ہیں اور یہ امید واپسی کے لیے کوششوں کی بنیاد بنتی ہے۔ اس لیے مزدور ریاست کے آئین کے مطابق جو لوگ بھی منافع کی غرض سے اجرتی مزدوری کرواتے رہے ہیں انہیں حق رائے دہی نہیں دیا جاتا۔

سوویتیں (عوامی پنچائتیں، کمیون یا کونسلیں)

سوویتیں نئے سماج کے وہ بیج ہیں جو انقلابی تحریک کے دوران پرانے سماج کی کوکھ میں خودرو طور پر جنم لیتے ہیں اور سرمایہ دارانہ ریاست کے اداروں اور ڈھانچوں کو مسترد کرتے ہوئے محنت کش سماج کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ انقلاب کے بعد بننے والی مزدور ریاست ان نئے اداروں پر اپنے آپ کو استوار کرتی ہے اور پرانے ریاستی ڈھانچے کے خاتمے کا اعلان کرتی ہے۔ سوویتوں کا نظام نہ صرف عوام کو اجتماعی طور پر منظّم کرنے میں مدد دیتا ہے بلکہ یہی منظّم طریقہ کار مرکزی سطح سے لے کر مقامی سطح تک ریاستی ڈھانچے کی بنیاد بنتا ہے اور اکثریت کے لیے جمہوریت کو یقینی بناتا ہے جس میں محنت کش عوام انتظامی امور میں حقیقی معنوں میں حصہ لیتے ہیں۔

ریاستی انتظام کا سوویتوں کا نظام درحقیقت شہری صنعتی پرولتاریہ کو ہراول کردار دیتا ہے۔ اس امتیازی مقام کی بدولت بڑی صنعتوں کا پرولتاریہ سرمایہ دارانہ نظام کے پیدا کردہ چھوٹے چھوٹے

مفادات کی سوچ کا مقابلہ کرتا ہے جو محنت کشوں کو تقسیم کرتی ہے۔اسی طرح دیہاتوں اور قصبوں کا منقسم اور پسماندہ پرولتاریہ اور نیم پرولتاریہ صنعتی پرولتاریہ کے ساتھ جڑ تا ہے جو انہیں دیہاتوں کے سرمایہ دار اور زمیندار کی سوچ کے اثر سے نکالتا ہے۔اس طرح ریاستی ڈھانچے اور عوام کی باشعور پرتوں کے درمیان ایک براہ راست تعلق بن جاتا ہے جو جمہوریت کی اعلیٰ ترین شکل ہے۔

اس کے علاوہ سوویت نظام میں سرمایہ دارانہ جمہوریت کی بیماریاں بھی ختم کی جاتی ہیں جن میں پارلیمینٹیرین ازم بھی شامل ہے۔اس نئے نظام میں مقنّنہ اور انتظامیہ کو یکجا کر دیا جاتا ہے۔ سرمائے کی حکمرانی کی مکارانہ جمہوریت میں مقنّنہ اور انتظامیہ علیحدہ ہوتے ہیں جس کی محدودیت اور دھوکہ دہی کو مارکسی نظریہ دان بہت پہلے واضح کر چکے ہیں۔حکومت کے ان دو پہلوؤں کو یکجا کرنے سے ریاستی ڈھانچہ عوام کے قریب تر آ جاتا ہے اور سرمایہ دارانہ پارلیمنٹ کے دھوکے اور فراڈ کو ختم کر دیا جاتا ہے اور ریاست کے انتظام کے لیے بورژوا ڈھانچہ ناکارہ ہو جاتا ہے۔اس طرح سوویتی یا پنچائیتی ریاستی نظام سے پورا بورژوا ریاستی ڈھانچہ اور اس کے ادارے اپنی بنیادوں سے منہدم ہونے لگتے ہیں۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ بیوروکریسی کے خلاف لڑائی ختم ہو جاتی ہے بلکہ وہ عوام کی پچھلی پرتوں کے عمومی کم ثقافتی معیار اور صنعتی پرولتاریہ کی اعلیٰ ترین پرتوں کی زبردست کاوشوں کے درمیان فرق کو اپنے مفاد اور پرانے ریاستی ڈھانچے کی واپسی کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

سوویتیں براہ راست ملک کی پیداواری سرگرمی کی عکاسی کرتی ہیں۔سوویت براہ راست فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدوروں اور کھیتوں میں کام کرنے والے کسانوں پر مشتمل ہوتی ہیں۔اسی طرح فوجی پنچائیتوں میں بھی فوج کی مختلف رجمنٹوں سے مندوب اس نئے نظام کو منظّم اور متحرک کرتے ہیں۔جن میں ان کا اولین فریضہ سوشلسٹ انقلاب کا دفاع ہوتا ہے۔شہروں میں نمائندگی کی بنیاد پیشے پر ہوتی ہے۔ ہر پیشے یا صنعتی ادارے میں موجود لوگوں کی علیحدہ سوویت ہو گی۔لیکن وہ لوگ جو غیر منظّم پیشوں سے تعلق رکھتے ہیں (جیسے گھریلو خواتین) وہ جغرافیائی یونٹوں کی بنیاد پر ووٹ ڈالتے ہیں۔دیہاتی اضلاع میں جہاں پیداواری سرگرمی بہت حد تک یکساں ہے

وہاں کی نمائندگی بنیادی جغرافیائی یونٹوں میں ہوتی ہے۔

مرکزی، صوبائی وعلاقائی ڈھانچے

ہر گاؤں اپنی ایک سوویت منتخب کرے گا۔ مختلف گاؤں کی سوویتیں قصبے کی سوویت میں اپنے مندوب بھیجیں گی۔ قصبے کی سوویت ایک ایگزیکٹو کمیٹی منتخب کرے گی جو اپنے علاقے میں انتظامی اختیارات رکھے گی۔

اسی طرح قصبوں اور شہروں میں رہنے والے مختلف پیداواری شعبے شہر کی سوویت میں اپنے مندوب بھیجیں گی۔ ضلع کی سوویتوں کی کانگریس، ضلع کا سب سے بڑا ادارہ ہوگا جس میں گاؤں کی سوویتوں سے بھی نمائندے ہوں گے اور شہری علاقوں کی سوویتوں سے بھی۔ مندوبین کا تناسب انقلابی عمل کے تجربات، ضروریات اور مشترکہ رائے پر طے ہوگا۔

سوویتوں کی صوبائی کانگریس جو صوبے کا سب سے بڑا ادارہ ہے، اس میں شریک مندوبین شہروں و صنعتی علاقوں کی سوویتوں، فوج و پولیس کی پنچائیتوں اور مختلف دیہاتوں کی کسان سوویتوں پر مشتمل قصبوں کی سوویتوں سے آئیں گے۔

اسی طرز پر مقامی اور پیشہ وارانہ یونٹوں سے لے کر یہ ڈھانچہ مختلف کانگریسوں پر مشتمل ہوتا چلا جاتا ہے جہاں بڑے انتظامی یونٹوں، خودمختار علاقوں اور جمہوریتوں کی سوویتوں کی کانگریس شامل ہوں گی حتیٰ کہ سب سے بڑا ادارہ پورے ملک کی سوویتوں کی کانگریس بنتا ہے۔ پورے ملک کی سوویتوں کی کانگریس کا اجلاس سال میں کم از کم دو دفعہ ضرور ہوگا۔

ان دو کانگریسوں کے درمیان سب سے بڑا ادارہ سنٹرل ایگزیکٹیو کمیٹی ہوگا جس میں مختلف شعبوں کی ذمہ داریاں نبھانے والے کیسار یا منتظم شامل ہوں گے یہ کانگریس منتخب کرے گی۔ سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے دو حصے ہوں گے جن میں سے ایک کونسل آف یونین اور دوسرا قومیتوں کی کونسل ہوگا۔ ان کونسلوں کے افراد صوبائی کانگریسوں میں منتخب ہوں گے۔

سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کی میٹنگ ہر تین ماہ بعد ہوگی۔ ہر دو میٹنگوں کے درمیان کیساروں کی

کونسل سب سے بڑا ادارہ ہوگی جسے سی ای سی کے ادارے میں منتخب کیا جائے گا۔اس کونسل کے افراد کومختلف شعبوں کی ذمہ داری دی جائے گی اور وہ اپنے محکمے کے کیساریٹ کی کارکردگی کے جوابدہ ہوں گے۔

صوبائی، ضلعی، قصبوں، فیکٹریوں، دیہاتوں، رجمنٹوں اور دوسرے اداروں کی سطح پر بھی اسی طرز پرا یگزیکٹوکمیٹیاں اور کیساروں کی کونسلیں منتخب کی جائیں گی۔

جمہوری مرکزیت پر مبنی حکومت

پورا ریاستی ڈھانچہ جمہوری مرکزیت کی بنیاد پر کھڑا ہوگا۔ جس میں آبادی کی اکثریت جمہوری انداز میں رائے دہی کرسکتی ہے اور منتخب مندوب کو کسی بھی وقت واپس بلائے جانے کا مکمل اختیار ہوگا۔لیکن ایک دفعہ جو اجتماعی یا اکثریتی رائے سے فیصلہ ہوگیا اس کو تسلیم کرنا سب کی ذمہ داری ہوگی۔مرکزی جمہوریت کی یہ اعلیٰ ترین شکل جہاں سرمایہ داری کے کچلے ہوئے غریب ترین انسانوں کو بھی بااختیار بنادے گی اور ان کی رائے کا اظہار اور عملدرآمد تیز اور موثر ترین ہوگا وہاں تمام تر پالیسیاں عوامی مفاد میں بنیں گی۔مقامی سوویتوں کی میٹنگ کم از کم پندرہ دن میں ایک دفعہ ضرور ہوگی جس میں نہ صرف اپنے متعلقہ حلقے کے متعلق قوانین اور انتظامی امور کے فیصلے کیے جائیں گے بلکہ انقلاب کے دفاع اور مضبوطی کے کام کی بھی نگرانی کی جائے گی۔

انتخابات کے دن اور وقت کا فیصلہ مقامی سوویت خود کرے گی۔انتخابات الیکشن کمیٹی اور مقامی سوویت کے نمائندوں کے سامنے ہوں گے۔انتخابی عمل کے تمام منٹس پر الیکشن کمیٹی اور سوویت کے نمائندے کے دستخط ہوں گے۔

سیاسی پارٹیوں کا کردار

سوویتوں کے جمہوری عمل میں مختلف پارٹیوں کو حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے لیکن ایسی سیاسی جماعتیں جو مالیاتی سرمائے کے زور پر چلتی ہیں، ردانقلابی نظریات کو پروان چڑھاتی ہیں اور محنت کش طبقے کے اس انقلاب کی دشمن ہوں اور اس کے خلاف برسرپیکار ہوتی ہیں وہ اس عمل میں بھلا

کیسے حصہ لے سکتی ہیں۔15 سال سے زائد تمام بالغ مرد اور خواتین ووٹ ڈالنے کا حق رکھتے ہیں۔

سوویتوں میں مندوبین کا انتخاب سیاسی پارٹیوں کی حمایت کی بنیاد پر ہوگا، یعنی سوویت کے ووٹروں میں کسی بھی سیاسی جماعت کی حمایت کے تناسب سے مندوبین منتخب ہوں گے اور انفرادی امیدواروں کو ووٹ نہیں ڈالے جائیں گے بلکہ سیاسی پارٹی اور اس کے پروگرام کو ووٹ ملیں گے۔ امیدواروں کا اعلان ہر پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی جانب سے کیا جائے گا جو ضرورت پڑنے پر کسی بھی وقت امیدواروں کو تبدیل بھی کر سکتی ہے۔اسی طرح مندوبین صرف کسی خاص مدت کے لیے منتخب نہیں ہوتے بلکہ انہیں کسی بھی وقت واپس بلایا جا سکتا ہے۔

سوویت جمہوریت میں کمیونسٹ پارٹی کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ انقلابی پارٹی کے بغیر سوشلسٹ انقلاب برپا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انقلابی پارٹی محنت کش طبقے کی وسیع تر پرتوں کی حمایت اور سوویتوں میں اکثریت حاصل کر کے ہی مزدور ریاست کی حکومت سنبھالتی ہے۔ اقتدار میں آنے کے بعد یہ نہ صرف دوہرے اقتدار کی کیفیت ختم کر کے اقتدار مکمل طور پر سوویتوں کو منتقل کرتی ہے بلکہ انقلاب کے دفاع، پھیلاؤ اور مضبوطی کے لیے بھی پالیسیاں ترتیب دیتی ہے۔اس پارٹی کے اندرونی ڈھانچے بھی شخصیت پرستی کی بجائے جمہوری مرکزیت کے اصولوں پر مبنی ہوتے ہیں۔انقلابی پارٹی کی تنظیم اور ڈھانچوں کے بارے میں تفصیلات دستاویز نمبر 2 ''انقلابی پارٹی کی تعمیر''میں موجود ہیں۔

فوج

سوشلزم کا ایک اہم فریضہ انسانیت کو عسکریت پسندی، خانہ جنگیوں، دہشت گردی اور قوموں کے مابین جنگوں کی بربریت سے نجات دلانا ہے۔سوشلزم کا حتمی مقصد پوری دنیا میں جنگی ساز و سامان کا خاتمہ، مستحکم امن اور اس دنیا میں رہنے والی تمام قوموں اور نسلوں کے درمیان انسانی بھائی چارے کی فضا اور رشتے کو قائم کرنا ہے۔

یہ مقصد اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب تمام طاقتور سرمایہ دارانہ ممالک میں اقتدار

محنت کش طبقے کو منتقل کر دیا جائے، جب ذرائع پیداوار استحصال کرنے والے طبقات سے چھین کر اجتماعی مفاد میں محنت کشوں کے حوالے کر دیے جائیں اور جب انسانی یکجہتی کی مضبوط بنیادوں پر کمیونسٹ سماج تخلیق کر لیا جائے۔

پاکستان میں مزدوروں اور کسانوں کے ایک سوشلسٹ انقلاب کے برپا ہونے کے اثرات خطے میں موجود دوسرے ممالک سمیت پوری دنیا پر پڑیں گے اور وہاں بھی محنت کشوں کی انقلابی تحریکیں ناگزیر طور پر جنم لیں گی۔ امریکی سامراج کی افغانستان میں مداخلت اور معیشت کی عالمگیریت کے بعد یہ خطہ پہلے سے کہیں زیادہ جڑ چکا ہے۔ جہاں ان کے زخم ایک ہیں وہاں ان کی نجات بھی ایک ہے۔ تاریخی، ثقافتی اور جغرافیائی اعتبار سے جنوبی ایشیا میں بسنے والے کروڑوں لوگوں کو مصنوعی سرحدوں کے ذریعے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان میں سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی پورے خطے میں انقلابی تحریکوں کو جنم دے گی جس کے باعث دوسرے ممالک میں بھی سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی کے امکانات میں اضافہ ہو گا۔ انہی امکانات کے پیش نظر سرمایہ دار اور سامراجی بھی پاکستان میں ابھرنے والے انقلاب کو کچلنے کے لیے اپنی بھرپور طاقت کا استعمال کریں گے۔ پاکستان کی سمندری حدود میں اور اس کے قریب امریکی بحری بیڑے موجود ہیں، اسی طرح تمام اطراف میں سرحدوں پر بھی سرمایہ دارانہ ریاستوں کی فوجیں موجود ہیں جن میں چین جیسا سامراجی ملک بھی شامل ہے، یہ طاقتیں محنت کشوں کی ابھرتی ہوئی قوت کے خلاف فوری طور پر اپنے ردعمل کا شدت سے اظہار کریں گی۔

اس صورتحال میں جہاں ان ممالک کے محنت کشوں سے یکجہتی کی اپیل کرتے ہوئے وہاں پر ایک سوشلسٹ انقلاب کی جلد از جلد کامیابی کے لیے کوشش کرنا بھی اس مزدور ریاست کا اہم فریضہ ہو گا وہاں اپنے ملک میں انقلاب کے دفاع کے لیے ایک سرخ فوج کا قیام بھی ناگزیر ہے۔ اس سرخ فوج سے اس انقلابی سماج میں بھی سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سامراج کے گماشتوں کی اقتدار میں واپسی کے رستے مسدود کیے جائیں گے۔

مزدور ریاست انقلاب کے فوری بعد جوہری ہتھیاروں کے خاتمے کا اعلان کرتے ہوئے

پاکستان سے جوہری ہتھیاروں کے خاتمے کا آغاز کرے گی۔عالمی سامراجی طاقتوں سے اسلحے کے سودوں کے دوران جہاں کروڑوں روپے کی کرپشن کا خاتمہ ہوگا وہاں فوج کے اعلیٰ افسران کے محلات، ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائیٹیوں اور پر تعیش طرز زندگی کا خاتمہ ہوگا۔

اس کے علاوہ سامراجی طاقتوں سے لڑنے کے لیے جہاں جدید اسلحے کو استعمال کیا جائے گا وہاں تربیت یافتہ افراد کو انقلاب کے دفاع کی جدوجہد میں شریک ہونے کی دعوت دی جائے گی۔

مزدوروں اور کسانوں کے اس انقلاب کی فتح کے دفاع کے لیے تمام شہریوں کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ اپنی ذمہ داریاں ادا کریں اور تمام لوگوں کے لیے ملٹری ٹریننگ کا آغاز کیا جائے گا۔سرخ فوج کو صنعتی پرولتاریہ کی باشعور پرتوں کے ساتھ جوڑنا ہوگا اور انقلاب کے دفاع کے لیے مسلح جدوجہد کرنے کا اعزاز مزدوروں کو دیا جائے گا جبکہ باقی لوگوں کو دیگر فوجی ذمہ داریاں دی جائیں گی۔

سوشلسٹ انقلاب کے بعد سرخ فوج بنانے کے لیے گزشتہ سرمایہ دارانہ جبر کی ریاست کے فوجی ڈھانچے کو یکسر توڑنے کی ضرورت ہوگی۔سرمایہ دارانہ ریاست میں فوج استحصال کرنے والے طبقے کا سب سے اہم اوزار ہوتی ہے۔پرانے ریاستی ڈھانچے کو قائم رکھنا اور بورژوا ڈسپلن کو لاگو رکھنا اس کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔جہاں نجی ملکیت کے تحفظ کو یقینی بنانا اس کا اہم فریضہ ہوتا ہے وہاں محنت کشوں کو سرمایہ دارانہ نظام کی غلامی اور اطاعت میں رکھنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہوتا ہے۔کسی بھی انقلاب میں فوجی بغاوت فیصلہ کن کردار کی حامل ہوتی ہے۔سوشلسٹ انقلاب میں ہر سرکشی طبقاتی بنیادوں پر ہوتی ہے۔سپاہیوں اور نوجوان افسروں کی فوجی اشرافیہ کے خلاف بغاوت کے عمل میں ان کو متبادل ڈھانچوں میں منظّم ہوکر ان جرنیلوں کا تختہ الٹانا ہوتا ہے۔یہی ادارے انقلاب کی فتح کے بعد ان فوجی سوویتوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جو انقلابی فتح اور بیرونی حملوں کے خلاف انقلاب کے دفاع کو یقینی بناتے ہیں۔

اسی لیے پرانی فوج کے ڈھانچے کو ختم کر کے مزدور ریاست کے تحفظ اور محنت کشوں کے انقلاب کی فتح کو قائم رکھنے کے لیے بنائی جانے والی نئی سرخ فوج کو جہاں جدید ترین طرز پر

تربیت، تنظیم اور تکنیک سے استوار کرنا ہوگا وہاں اس کے سیاسی شعور پر بھی خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہوگی۔مزدوروں اور کسانوں کی سرخ فوج محنت کش طبقے کی باشعور پرتوں کے بہترین افراد، جو طبقاتی شعور سے لیس ہوں، سے تعمیر کی جائے گی۔سرخ فوج میں افسران کے لیے ''سر'' اور اس قسم کے القابات کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور تمام سرخ فوج کے اہلکار ایک دوسرے کے لیے کامریڈ یا ساتھی کا لفظ استعمال کریں گے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ ڈسپلن کا خاتمہ کر دیا جائے گا بلکہ ڈسپلن پہلے سے زیادہ سخت اور انقلابی بنیادوں پر ہوگا اور سپاہی اپنے سے بالا ادارے کے سپاہیوں کے احکامات کی تعمیل کریں گے لیکن باہمی احترام کا معیار قائم کیا جائے گا اور کوئی بھی کسی دوسرے سپاہی کی تضحیک یا بے عزتی نہیں کر سکے گا۔اسی طرح زندگی کی بنیادی سہولیات بھی تمام سپاہیوں کے لیے یکساں مہیا کی جائیں گی۔

سوویت جمہوریہ میں رہنے والے وہ تمام افراد جن کی عمر 16 سال سے زائد ہو اس ذمہ داری کے اہل ہونگے۔

ہر وہ شخص جو سوشلسٹ انقلاب کے دفاع اور مضبوطی کے لیے اپنی جان نچھاور کرنے کو تیار ہو اس ذمہ داری کا اہل ہوگا۔سرخ فوج میں شمولیت کے لیے اپنے علاقے کی سول یا ملٹری کمیٹی سے یا پھر ٹریڈ یونین یا پارٹی کمیٹی کی ضمانت حاصل کرنا ہوگی۔اس کے علاوہ انتہائی ضرورت کی صورتحال میں ان کمیٹیوں کے کسی دو افراد کی ضمانت بھی فراہم کی جاسکتی ہے۔اگر کوئی مکمل یونٹ سرخ فوج میں شامل ہونا چاہے تو اس کے لیے اجتماعی ضمانت اور اس یونٹ کے تمام افراد کی ووٹنگ کے ذریعے ایسا کیا جاسکتا ہے۔سرخ فوج کے تمام افسران سپاہیوں کی سوویتوں کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔

18 سے 40 سال تک کی عمر کے وہ افراد جو ابتدائی تربیت حاصل کر چکے ہوں انہیں فوج میں ذمہ داری دینے کے لیے رجسٹر کر لیا جائے گا۔

تربیت کے تین اہم مراحل ہوں گے۔ پہلا مرحلہ سکول جانے کی عمر میں ہوگا جس میں عمر کی کم از کم حد تعلیم کا عوامی کیسا رطے کرے گا۔دوسرا مرحلہ 16 سے 18 سال تک کی عمر میں ابتدائی تیاری کا ہوگا۔تیسرا مرحلہ لازمی فوجی سروس کا ہوگا جو 18 سال سے 40 سال تک کی عمر کا ہوگا۔

وہ افراد جن کے مذہبی عقائد اسلحے کے استعمال سے منع کرتے ہیں انہیں صرف ایسی فوجی تربیت دی جائے گی جس میں اسلحہ شامل نہ ہو۔

دوسرے اور تیسرے مرحلے کی فوجی تربیت کی ذمہ داری عوامی کیسار برائے جنگ کے ادارے کے تحت ہوگی۔ پہلے مرحلے پر عوامی کیسار برائے تعلیم یہ تربیت دے گا جس میں عوامی کیسار برائے جنگ کا ادارہ معاونت کرے گا۔

وہ تمام افراد جو صنعتوں میں کام کرتے ہیں، زمینوں پر کاشتکاری کرتے ہیں اور کسی قسم کی محنت کا استحصال نہیں کرتے، وہ تمام لازمی طور پر یہ تربیت حاصل کریں گے۔ انقلاب سے پہلے کے دور میں ردانقلابی قوتوں کے آلہ کار، محنت کا استحصال کرنے والے، دوسرے انسانوں کو اپنا غلام رکھنے والے افراد فوج میں ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل نہیں ہوں گے اور نہ ہی وہ کسی قسم کا اسلحہ اپنے پاس رکھ سکیں گے۔

علاقائی سطح پر موجود فوجی کیسار کے ادارے اپنے متعلقہ علاقے میں اس لازمی فوجی تربیت کی نگرانی کریں گے۔

زیرِ تربیت افراد کو دورانِ تربیت کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا جائے گا۔ تربیت کا دورانیہ ایسا رکھا جائے گا جس میں تربیت حاصل کرنے والے افراد کا مستقل پیشہ کم سے کم متاثر ہو۔

تربیت کے دورانیے کو صورتحال کے مطابق طے کیا جا سکتا ہے جس کی مدت 6 ہفتوں تک رکھی جا سکتی ہے یا اس سے بھی زائد۔ مخصوص دستوں کی تربیت کی مدت کے دورانیے کا تعین کیسار برائے جنگ کا ادارہ کرے گا۔

جو بھی اس لازمی فوجی تربیت میں کوتاہی برتے گا یا اس سے بھاگنے کی کوشش کرے گا اس کے خلاف سرخ فوج کے ڈسپلن کی کاروائی ہوگی۔

فوج کے اندر ہر رجمنٹ میں مزدور حکومت کے سیاسی نمائندے کے طور پر کیسار برائے جنگ کو تعینات کیا جائے گا۔

کیسار برائے جنگ کا عہدہ صرف ان انقلابیوں کو دیا جائے گا جو مشکل ترین حالات میں

بھی اپنی انقلابی ذمہ داریاں نبھا سکیں۔اس کی ذمہ داری ہو گی کہ اس بات کو یقینی بنائے کہ فوج مزدور حکومت کے احکامات پر عمل کرتی رہے اور سرخ فوج کے ادارے کو مزدور ریاست کے خلاف سازشوں کا گڑھ نہ بننے دے یا پھر مزدوروں اور کسانوں کے خلاف اسلحے کا استعمال نہ کر سکے۔

کیسار برائے جنگ فوج میں جس کمانڈنگ افسر کے ساتھ تعینات ہو گا وہ اس کی تمام سرگرمیوں میں شریک کار رہو گا۔آنے والی تمام رپورٹیں یہ دونوں افراد موصول کریں گے اور جاری ہونے والے تمام احکامات پر ان دونوں کے دستخط ہوں گے۔کسی بھی فوجی سوویت کے صرف وہ احکامات قانونی ہوں گے جن پر ان دونوں افراد کے دستخط ہوں گے۔تمام کام کیسار برائے جنگ کی آنکھوں کے سامنے ہو گا۔مزدور حکومت کا سیاسی نمائندہ کیسار برائے جنگ صرف وہ کام نہیں کرے گا جو مخصوص فوجی نوعیت کے ہوں گے، جن کی ذمہ داری اس فوجی تربیت یافتہ شخص کی ہو گی جس کے ساتھ اسے تعینات کیا گیا ہے۔

اگر کیسار کسی تکنیکی نوعیت کے فوجی حکم نامے کی اجازت نہیں دے سکتا تو وہ اس کو رد کرنے کی بجائے اپنے سے اعلیٰ فوجی سوویت کو اس کی رپورٹ بھیج دے گا۔کیسار صرف ان فوجی احکامات پر عمل درآمد روک سکتا ہے جن کے بارے میں اس کے پاس یہ اطلاع ہو کہ یہ رد انقلابی مقاصد کے تحت کیے جا رہے ہیں۔

جب کسی حکم نامے پر کیسار برائے جنگ کے دستخط ہوں تو وہ قانون کا درجہ حاصل کر جائے گا اور اس پر ہر قیمت پر عمل درآمد کرنا ہو گا۔کیسار کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ تمام احکامات پر عمل درآمد کیا جا رہا ہے اور اس فریضے کو نبھانے کے لیے اس کے پاس مزدور ریاست کے تمام اختیارات حاصل ہوں گے۔

کیسار کے لیے ضروری ہو گا کہ وہ سرخ فوج اور مرکزی اور مقامی سوویت حکومتوں کے ساتھ مستقل رابطہ رکھے اور سرخ فوج کے لیے ان اداروں کی امداد کو یقینی بنائے رکھے۔

کیسار کو یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ سرخ فوج کے تمام افراد اپنی ذمہ داری انقلابی جذبے سے ادا کر رہے ہیں، تمام اخراجات انتہائی ذمہ داری سے کیے جا رہے ہیں اور مزدور ریاست کے فوجی

سازوسامان کی حفاظت کی جا رہی ہے۔

جب رجمنٹ سرگرم ہو اور محاذ پر جائے تو وہ اس کے ساتھ ہو۔ وہ تمام احکامات، سرگرمی کا معائنہ کرے، اپنی فوجوں کی حملے یا دفاع کے وقت حوصلہ افزائی کرے اور جہاں ضرورت محسوس کرے خود ذاتی طور پر حصہ لے کر مثال قائم کرے۔

کمیسار کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ رجمنٹ کی سرگرمیوں کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھے لیکن کمانڈنگ افسر کی مخصوص تکنیکی سرگرمیوں میں مداخلت نہ کرے۔ کمیسار کی ذمہ داری ہوگی کہ رجمنٹ میں سیاسی سرگرمیوں کو منظّم کرے اور ان کی سرپرستی کرے۔ اس کی معاونت کے لیے سیاسی لیڈر موجود ہوں گے جو رجمنٹ میں سیاسی تربیت کا کام کریں گے۔

سوشلسٹ سماج میں تبدیلی کا عبوری دور لمبا اور تھکا دینے والا ہوسکتا ہے جس میں فوج کی تنظیم نو انتہائی ضروری ہے۔ اس دوران مزدوروں کو پیداواری سرگرمی سے کم سے کم وقت کے لیے نکال کر لازمی فوجی تربیت دی جائے گی۔ اس کے لیے مختلف علاقوں یا ضلعوں کی بنیاد پر بنے مزدوروں اور کسانوں کے سرخ ملیشیا ان ضرورتوں کو پورا کرسکتے ہیں۔

مزدور ریاست کے ملیشیا کے نظام کا مقصد فوج کو پیداواری سرگرمی سے قریب رکھنا ہے تاکہ کسی بھی مخصوص صنعتی علاقے کی افرادی قوت وہاں کے فوجی یونٹوں کی افرادی قوت بھی بنے۔

ملیشیا کی تنظیم سازی (رجمنٹ، بریگیڈ، ڈویژن) مخصوص جغرافیائی صنعتی علاقوں سے متصل ہوگی جس کے باعث صنعتی مراکز اور ان کے گرد زرعی علاقے اس تنظیم سازی کی بنیاد بنیں گے۔

مزدوروں اور کسانوں کے سرخ ملیشیا کی تنظیم کی بنیاد ان کیڈروں پر ہوگی جو فوجی، تکنیکی اور سیاسی تربیت سے لیس ہوں گے تاکہ زیرِ تربیت مزدوروں اور کسانوں کو اس ملیشیا میں انہی صلاحیتوں کے ساتھ منظّم کرسکیں۔ یہ کیڈر اس قابل ہوں گے کہ کسی بھی لمحے اپنے ملیشیا کے ضلع سے مزدوروں اور کسانوں کو بلا سکیں، انہیں ایک فوجی دستے کے طور پر منظّم کرسکیں، مسلح کرسکیں اور متحرک ہوسکیں۔

ملیشیا کے کیڈروں میں اضافہ اور تبدیلی کا عمل بتدریج جاری رہے گا اور اس طرز پر کہ متعلقہ

ضلع کی معاشی زندگی سے اس کا رابطہ برقرار رہے تاکہ کسی ڈویژن کے کمانڈنگ افسروں کو اسی علاقے کے مقامی پرولتاریہ میں سے بہترین افراد کو بنایا جاسکے۔

اس مقصد کے لیے تربیتی کورس کا انعقاد کیا جائے گا جو ملیشیا کے قریبی معاشی اضلاع میں ہوگا۔

ملیشیا کی تربیت کا نظام ایسا ہوگا جو لڑنے کی بہترین صلاحیتیں استوار کرے گا۔اس کے لیے سروس کی عمر سے پہلے کی ابتدائی تربیت ہوگی۔جس میں فوجی حکام کا تعلیم،ٹریڈ یونین، پارٹی تنظیم، نوجوانوں کی تنظیم،کھیل سمیت دوسرے اداروں کے عوامی کیساروں سے مسلسل رابطہ رکھا جائے گا۔

بیرکوں کی سیاسی فوجی سکول سے نزدیکی کی بنا پر تربیت کے دورانیے کو کم کیا جائے گا۔اس کے علاوہ ملیشیا میں ضرورت پڑنے پر مزدوروں کے جتھے بنانے کی بھی صلاحیت ہوگی اور ان جتھوں کو ضروری انسٹرکٹر بھی مہیا کرنے ہوں گے۔

چونکہ ملیشیا کی سمت مستقبل میں پورے ملک کے تمام لوگوں کو ایک مسلح فوج میں تبدیل کرنا ہے اس لیے عبوری دور میں اسے پرولتاریہ کی آمریت کی تمام خصوصیات کو برقرار رکھنا ہوگا۔

سرخ فوج مزدور ریاست کے لیے لازمی معیارات سے کم دفاعی طاقت کو ایک لمحے کے لیے بھی قبول نہیں کرے گی۔

عدلیہ اور جرائم کا خاتمہ

سرمایہ دارانہ نظام میں قانون اور عدالتوں کا مقصد نجی ملکیت کا تحفظ ہوتا ہے۔جہاں ریاست سرمایہ دار طبقے کے ہاتھ میں حکمرانی کے لیے ایک اوزار ہے وہاں یہ عدالتیں بھی سرمائے کی حکمرانی کو تحفظ دیتی ہیں۔سرمایہ دارانہ قوانین کی اپنی کوئی آزادانہ تاریخ نہیں ہے بلکہ جیسے جیسے نجی ملکیت کا نظام آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے متعلقہ قوانین وجود میں آتے گئے۔آج قانون کی پیچیدگیوں کی وجہ نجی ملکیت کی پیچیدگیاں ہیں۔حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ کسی کمپنی میں ملازمت کرنے والے شخص کے ذہن میں آنے والے خیال کو بھی اس کمپنی کے مالک کی نجی ملکیت قرار دے دیا گیا ہے۔جائیداد کی نجی ملکیت کے ساتھ ساتھ انٹلیکچوئل پراپرٹی قوانین بھی سماج کی

ترقی کی راہ میں حائل بنیادی رکاوٹ ہیں۔

سوشلسٹ انقلاب کے بعد نجی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور سرمائے کی حکمرانی کا دور اختتام پذیر ہو جائے گا۔ جائیداد، ملکیت، دولت، ذرائع پیداوار اور سماجی بندھنوں کے رشتوں سے مالیاتی مفادات اور انفرادی ملکیت کے انخلا سے لاکھوں دیوانی اور فوجداری مقدمات، جو اس وقت عدالتوں میں چل رہے ہیں، ان کے تنازعات اور جھگڑوں کی بنیادیں اور وجوہات ہی ختم ہو جائیں گی۔ اس طرح انصاف کا یہ اژدہا جو کروڑوں کا خون چوس رہا ہے اس کا یہ استحصال بھی ختم ہو جائے گا۔ اس سے یقیناً بہت زیادہ جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا لیکن جب تک کمیونزم کا مرحلہ نہیں آ جاتا اس وقت تک تقسیم اور نابرابری کے مسائل سر اٹھاتے رہیں گے۔ جب تک ہر ایک کو اس کی کی ہوئی محنت کے مطابق نہ ملے گا اس وقت تک یہ مسائل مستقل بنیادوں پر ختم نہیں ہوں گے۔

بقول مارکس:

''قانون کبھی بھی سماج کے معاشی ڈھانچے اور اس کے نتیجے میں بننے والی ثقافتی ترقی کی حدود سے بلند نہیں ہو سکتا''۔

کمیونزم کے مرحلے تک کے عبوری دور میں مزدور ریاست کی ضرورت بھی اسی لیے ہوتی ہے کیونکہ جہاں ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت کے تحفظ کی ضرورت ہوتی ہے وہاں محنت کی برابری اور اشیا کی تقسیم کی بھی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن مزدور ریاست پرولتاریہ کی حکمرانی کو مضبوط کرنے کی بجائے سماج میں تحلیل ہوتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ طبقاتی تقسیم کو ختم کر دیتی ہے جبکہ سرمایہ دارانہ ریاست طبقاتی تقسیم کو مضبوط کرتی ہے اور اقلیت کی اکثریت پر حکمرانی کے جبر کو مسلسل بڑھاتی ہے۔

پرولتاری جمہوریت میں سرمایہ دارانہ عہد کی عدالتوں کا خاتمہ کر دیا جائے گا اور ان کی جگہ مزدوروں اور کسانوں کی طبقاتی عدالتیں بنائی جائیں گی۔ اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد پرولتاریہ پرانے مبہم نعرے ''عوام کی جانب سے ججوں کا انتخاب'' کا خاتمہ کرے گا اور ''ججوں کا محنت کشوں اور صرف محنت کشوں میں سے انتخاب'' کا نعرہ لگائے گا۔ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انقلابی

ٹربیونلوں پر مبنی عدالتی نظام بنایا جائے گا۔سوویتوں میں ججوں کا انتخاب کیا جائے گا اور انقلابی عدالتوں کے ذریعے موقع پر ہی انصاف فراہم کیا جائے گا۔ان ججوں کی اجرتیں، مراعات اور سماجی رتبے ایک ہنر مند مزدور سے زیادہ نہیں ہوں گے۔اگرچہ ذہنی اور جسمانی محنت کی تفریق صرف بہتات اور تسخیرِ فطرت کے آخری مرحلے کمیونسٹ سماج میں ہی ختم ہوگی لیکن سوشلسٹ انقلاب سے اس عمل کا آغاز ضرور ہو جائے گا۔نجی ملکیت کے خاتمے کے باعث کئی مہینوں اور سالوں پر مشتمل عدالتی کاروائیوں کا عمل ختم ہو جائے گا۔صرف وہ لوگ ہی جج منتخب ہو سکیں گے جو پیداواری عمل میں براہ راست شریک ہیں۔اسی طرح مردوں اور خواتین میں فرق ختم کر کے دونوں کو بطور جج منتخب ہونے کا برابر حق دیا جائے گا۔سرمایہ دارانہ ریاست کے قوانین اور آئین کا خاتمہ کر کے مزدور ریاست منتخب جیوری کو تشکیل دے گی تاکہ پرولتاریہ کی مرضی اور اس کے قانون کو لاگو کیا جا سکے۔سوشلسٹ انصاف کی سمجھ بوجھ سے گزشتہ ریاست کے حکمران قوانین و اقدار کو یکسر مسترد کر دیا جاتا ہے۔

انقلابی عدالتوں میں چونکہ پیسے کا لین دین اور کاروبار مکمل طور پر ختم کر دیا جاتا ہے تو زر سے پاک نظامِ انصاف میں حقیقی سچائی سامنے آتی ہے۔گواہوں سے وکیلوں اور ججوں تک کے کھلے اور پوشیدہ دولت کے حصول کا عمل بند ہو جاتا ہے۔اس لئے یہاں کسی قانون کی مالیاتی بکری کے لئے پیچیدگی بنانے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔جہاں گواہی بکتی نہیں، نہ ہی خریدی جا سکتی ہے۔اپنے دفاع میں ہر فرد کو خود دلائل دینے کی اہلیت اس پیسے کے کھلواڑ کے خاتمے سے حاصل ہو جائے گی۔اس لئے بیشتر وکلا، پیشہ ور گواہوں، ججوں اور قانونی جونکوں کی زیادہ ضرورت نہیں ہوگی۔جس سے افراد کی ایک بڑی کھیپ کی صلاحیتیں اور توانائیاں ترقیاتی اور پیداواری عمل میں کارآمد ہو سکیں گی۔

ہنگامی حالت میں عدالتی نظام کی جگہ انقلابی ٹربیونل اور خصوصی ٹربیونل بھی قائم کیے جا سکتے ہیں۔جبکہ مستقل بنیادوں پر مرکز سے لے کر مقامی سطح تک عوامی عدالتی نظام بنایا جائے گا جس میں ججوں کے پینلوں کو سوویتیں یا ایگزیکٹو کمیٹیاں منتخب کریں گی۔ان ججوں کو سوویت کی جانب سے کسی بھی وقت واپس بلائے جانے کا اختیار ان عوامی پنچایتوں کے پاس ہوگا۔

منصوبہ بند معیشت

سوشلسٹ انقلاب کے بعد منڈی کی معیشت کا مکمل خاتمہ کر کے منصوبہ بند معیشت قائم کی جائے گی۔یعنی ایک ایسا معاشی نظام جس میں سماج کے تمام افراد کی پیداواری سرگرمی کو شعوری طور پر منظّم کیا جائے گا اور اس منصوبہ بندی کا مقصد منافع کے حصول کی بجائے تمام افراد کی ضروریات کی تکمیل اور سماج کی ترقی ہو گا۔معیشت کے تمام کلیدی شعبوں کو ریاستی تحویل میں لیتے ہوئے اسے مزدوروں کے جمہوری کنٹرول میں دے دیا جائے گا۔لینن نے اس تناظر کو ان الفاظ میں بیان کیا کہ:

''اس (سرمایہ داروں کی) بے دخلی سے یہ امکان ضرور پیدا ہو گا کہ پیداواری طاقتیں بے پناہ بڑھ جائیں اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ سرمایہ داری کس قدر نا قابل یقین طریقے سے ابھی اس ترقی کو روک رہی ہے، تیکنیک آج جس درجے کو پہنچ چکی ہے اس کی بدولت کتنی کچھ ترقی کی جا سکتی تھی، تو ہمیں پورے اعتماد سے یہ کہنے کا حق ہو جاتا ہے کہ سرمایہ داروں کی بے دخلی کی وجہ سے انسانی سماج کی پیداوری طاقتیں واقعی کہیں سے کہیں پہنچ جائیں گی۔لیکن یہ بات کہ ترقی کی یہ رفتار کتنی تیز ہو گی، کتنی مدت میں وہ اس منزل تک جا پہنچے گی کہ تقسیم محنت کے بندھن سے اپنا پیچھا چھڑا لے، ذہنی اور جسمانی محنت کی مخالفانہ حیثیت کو دور کر دے اور محنت کرنے کو ''زندگی کا اولین تقاضا'' بنا دے، یہ ابھی نہ تو ہم جانتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں۔'' (لینن، ریاست اور انقلاب)

انقلاب کے بعد ایک اہم کام پورے ملک کی تمام پیداواری سرگرمی اور کھپت کا حساب رکھنا ہو گا۔اس کے لیے وسیع پیمانے پر ازسرِ نو متبادل ادارے تعمیر کرنے کی ضرورت ہو گی تا کہ ملک میں لوگوں کی بنیادی ضروریات کے لیے درکار اشیا کا تخمینہ لگایا جا سکے اور اس تخمینے کے مطابق پیداوار کرتے ہوئے اشیائے ضرورت تمام لوگوں تک پہنچائی جا سکیں۔

لینن مزید لکھتا ہے کہ،

''ان اقتصادی حالات کے پیدا ہونے سے یہ عین ممکن ہوگیا ہے کہ سرمایہ داروں اوران کی پروردہ افسر شاہی کا تختہ الٹتے ہی اناج اور پیداوار اور تقسیم کے سارے انتظام کا کنٹرول، محنت اور پیداوار کے حسابات رکھنے کے کام کی ساری ذمہ داری مسلح مزدور ادارے اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ (کنٹرول اور حسابات کے سوال کو سائنسی تربیت یافتہ انجنیئر وں اور ماہرین زراعت وغیرہ کے اسٹاف کے مسئلے سے گڈ مڈ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ماہرین، بھلے آدمی آج سرمایہ داروں کی منشا پوری کرنے اور دولت کی مقابلہ بازی میں لگے ہوئے ہیں لیکن کل نئی پرولتاری ریاست کی منشا کی پابندی میں وسیع تر اشترا کی مقاصد کے لئے یہ لوگ بہتر لگن اور خوبی سے ذمہ داریاں سرانجام دیں گے)۔

حسابات رکھنا اور کنٹرول، سوشلسٹ انقلاب کے بعد سہولت سے کام چلانے اور معاشرے کی تیز ترین ترقی کے لئے ضروری ہے۔ تمام باشندے محنت کشوں کی اجتماعی سوشلسٹ ریاست کے تنخواہ یافتہ ملازم بن جاتے ہیں۔ تمام شہری ایک کل قومی ریاستی ''سنڈیکیٹ'' کے ملازم اور مزدور ہو جاتے ہیں۔ یہ ہے ساری بات کہ وہ برابر کا کام کریں، کام میں اپنا مناسب حصہ پورا کریں اور برابر کا معاوضہ پائیں۔ اس غرض کے لئے جو حساب کتاب رکھنا اور کنٹرول کرنا ہوتا ہے اس کو سرمایہ داری نے انتہائی آسان بنا دیا ہے اور اس کی کارگزاری (جو کہ صرف نگرانی کرنا اور باقاعدہ رسیدیں جاری کر دینا ہوتا ہے) غیر معمولی طور پر سادہ کر دی ہے جو کوئی بھی معمولی خواندہ آدمی انجام دے سکتا ہے۔

جب لوگوں کی بڑی تعداد آزادی کے ساتھ ہر جگہ اس قسم کا حساب کتاب رکھنے لگتی ہے اور ان سرمایہ داروں (جو اب مالک نہیں، ملازم بن چکے ہوتے ہیں) اور دانش ور حضرات پر جو بعد میں بھی سرمایہ دارانہ عادتوں پر قائم رہتے ہیں، اس طرح کا کنٹرول قائم کرنے لگتی ہے تو پھر یہ کنٹرول سب کے لئے واقعی عام اور عوامی ہو جاتا ہے، اس سے بچ کر نکلنے کی کوئی صورت نہیں رہتی اور ''نہ اس سے کوئی مفر'' ہوتا ہے۔

یہ صورت قائم ہونے کے بعد تمام سماج ایک ہی دفتر، ایک ہی فیکٹری بن جائے گا جس میں

سب کی محنت برابر ہوگی سب کی تنخواہ یا اجرت برابر ہوگی۔

مگر یہ ''فیکٹری'' کا ساڈسپلن جو پرولتاریہ سرمایہ داروں کو شکست دینے اور استحصال کرنے والوں کا تختہ الٹنے کے بعد پورے سماج پر عائد کرے گا، یہ ڈسپلن ہرگز ہمارا آدرش نہیں ہے، ہماری منزل مقصود نہیں ہے۔ یہ بس مجبوری کا ایک قدم ہے اس غرض سے کہ سماج کے بدن سے اچھی طرح وہ نجاست خارج کردی جائے وہ گندگی اور کمینگی دور کردی جائے، جو سرمایہ دارانہ استحصال کا نتیجہ ہے اور یہ آگے کی طرف بڑھنے کا قدم ہے۔''

مالیاتی نظام، بینکاری اور پیسے کا کردار

بینکوں اور روپے پیسے کا کردار انسانی سماج کی تاریخ میں یقیناً ایک ترقی پسندانہ قدم تھا لیکن آج یہ انسانی ترقی کے رستے میں بہت بڑی رکاوٹ بن چکے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام میں بینک سرمایہ داروں کے آلے کا کام کرتے ہیں اور محکوم عوام پر سرمائے کا جبر قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سوشلزم کا حتمی مقصد نہ صرف بینکوں کے نظام کا مکمل طور پر خاتمہ ہے بلکہ معیشت میں سے کرنسی کے کردار کو بھی ایک مسلسل عمل سے یکسر ختم کرنا ہے۔ کمیونسٹ سماج میں کرنسی صرف عجائب گھروں میں موجود ہوگی۔

لیکن اس حتمی منزل کو حاصل کرنے کے لیے سوشلسٹ انقلاب کے بعد مزدور ریاست کو ایک عبوری دور سے گزرنا ہوگا جس میں تمام بینکوں کو مزدور ریاست کے کنٹرول میں لیتے ہوئے ایک ہی مرکزی بینک قائم کیا جائے گا اور ساتھ ہی کرنسی کا وجود بھی رہے گا۔

کرنسی یا روپیہ ایک ایسی جنس یا شے ہے جس کا مقصد قدر کو محفوظ کرنا اور ادائیگی کے طور پر استعمال کرنا ہے۔ یعنی روپیہ بھی ایک شے (جنس) ہے لیکن جسے دوسری اشیا کی قدر ماپنے کا خصوصی کردار دیا گیا ہے۔ مارکس اس کی وضاحت کرتا ہے کہ:

''اقدار ہونے کے ناطے تمام اشیا (اجناس) صرف کردہ انسانی محنت ہی کی مرہونِ منت ہیں، چنانچہ ان میں یکسانیت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اقدار محض ایک ہی مخصوص شے

کے ذریعے جانی جا سکتی ہیں، اور آخرالذکر (اس مخصوص شے) کو ان کی اقدار کے عمومی پیمانے، یعنی روپے، میں بدلا جا سکتا ہے۔قدر کے پیمانے کی حیثیت سے روپیہ ایک ایسی منطقی شکل ہے، جو کہ ضرورت کے تحت قدر کا وہ پیمانہ اختیار کر لیتا ہے جو کہ اشیا میں قدرتی طور پر موجود ہوتا ہے، یعنی عرصۂ محنٗ''۔(مارکس، سرمایہ، جلد اول، باب 3)

اس کے علاوہ عبوری دور میں جہاں سوشلسٹ پاکستان کے اندر روپے کی ضرورت ہوگی وہاں عالمی سوشلسٹ انقلاب کی تکمیل سے قبل کے عرصے میں دوسرے ممالک سے لین دین کے لیے بھی کرنسی کی ضرورت ہوگی۔

''جس طرح ہر ملک کو داخلی گردش کے لئے کچھ اضافی روپے درکار ہوتے ہیں،۔۔۔اسی طرح۔۔۔۔روپے کی عالمی منڈی میں گردش کے لئے بھی ضرورت ہوتی ہے۔چنانچہ جمع وست (hoarding) کا کام جزوی طور پر روپے کے ملکی گردش اور ملکی ادائیگی کے ذریعے بھی پیدا ہوتا ہے اور جزوی طور پر اس عالمی روپے کے منصب سے بھی''۔(مارکس، سرمایہ، جلد اول، باب 3)

عبوری دور میں معاشی بنیادوں کے متعلق وضاحت لینن اپنی کتاب ''ریاست اور انقلاب'' میں کرتا ہے:

''مارکس نے اپنی تصنیف 'گوتھا پروگرام کی تنقید' میں تفصیل سے لاسال (Lassale) کے اس خیال کا رد پیش کیا ہے کہ سوشلزم میں مزدور کو ''اپنی محنت کا پورا حاصل'' یا بلا تخفیف۔۔محنت کا پورا صلہ ملے گا، مارکس نے بتایا ہے کہ سماج کی پوری مجموعی محنت میں سے ایک حصہ ضرور کاٹ کر ریزرو فنڈ اور ایک ترقیاتی فنڈ بھی بنانا پڑے گا جو پیداوار کو بڑھانے اور پھیلانے میں کام آئے گا، جس سے مشین کی 'گھسائی اور ٹوٹ پھوٹ' کا خرچ وغیرہ پورا کیا جائے گا۔۔۔۔پھر یہ بھی ہے کہ ذرائع استعمال میں سے کاٹ کر ایک ایسا فنڈ رکھنا ہوگا جس سے انتظامی محکموں کے خرچ، اسکولوں، ہسپتالوں اور بزرگوں کی بسر اوقات کے لئے رہائش وغیرہ کے خرچ چلائے جائیں۔

لاسال (Lassale) نے جو دھندلا، مبہم اور چلتا جملہ لکھ دیا تھا کہ 'مزدور کو اس کی محنت کا

پورا حاصل' ملے گا، اس کی جگہ مارکس نے زیادہ سنبھال کر، جانچ تول کر ایک حقیقی صورت بیان کی ہے کہ اشترا کی سماج کو اپنے معاملات اور انتظامات کیسے چلانے ہوں گے، مارکس نے اس سماج کی زندگی کے حالات کا ایک ٹھوس تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جس میں سرمایہ داری کا نام ونشان نہ ہوگا۔ مارکس نے لکھا ہے:

''ہمیں یہاں جس چیز سے بحث ہے (مزدور پارٹی کے پروگرام کا تجزیہ کرتے وقت) وہ کمیونسٹ سماج ہے، ایسے نہیں جیسے کہ وہ خود اپنی بنیادوں پر بن کر کھڑا ہوا ہو، بلکہ اس کے برخلاف جو سرمایہ دارانہ سماج کی کوکھ سے تازہ تازہ ابھرا ہے اور معاشی، اخلاقی اور ذہنی ہر لحاظ سے اس پر اسی پرانے سماج کا جنم داغ باقی ہے جس کے بطن سے وہ پیدا ہوا ہے۔''

یہ کمیونسٹ سماج، جو سرمایہ داری کے پیٹ سے تازہ تازہ برآمد ہوا ہو اور ہر لحاظ سے اس پر پچھلے سماج کے نشان باقی ہوں، مارکس نے اسی کو کمیونسٹ سماج کا 'پہلا' یا نیچے کا مرحلہ کہا ہے۔

اس مرحلے میں ہوتا یہ ہے کہ ذرائع پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت نہیں رہتے، پورے سماج کی ملکیت ہو جاتے ہیں۔ سماج کا ہر ایک فرد جو سماجی ضرورت کے کاموں میں سے اپنے حصے کی کوئی خدمت انجام دیتا ہے، سماج ہی سے اس کی سند پاتا ہے کہ اس نے اتنا کام کیا ہے اور یہ سند دکھا کر وہ سامان ضرورت کے پبلک اسٹور سے کام کی مناسبت سے مقررہ سامان حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی محنت کا جتنا صلہ ہونا چاہئے اس کا ایک حصہ پبلک فنڈ کے لئے منہا کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ہر ایک کام کرنے والے کو اس کام کے بقدر جو اس نے سماج کے لئے انجام دیا ہے، معاوضہ مل جاتا ہے۔

بظاہر 'مساوات' کا اصول حاوی رہتا ہے۔

لیکن لاسال اس سماجی نظام کو نظر میں رکھتے ہوئے (جسے عام طور سے سوشلزم کہا جاتا ہے، لیکن جسے مارکس نے کمیونزم کا پہلا مرحلہ قرار دیا) جب کہتا ہے کی یہ 'مساویانہ تقسیم' ہے اور 'سماج کے ہر فرد کو برابر کا حق حاصل ہے کہ وہ محنت کی پیداوار سے برابر کا حصہ پائے' تو یہیں وہ غلطی کرتا ہے اور مارکس نے اس کی غلطی کا پردہ فاش کر دیا ہے۔

مارکس نے کہا ہے کہ 'برابر کا حق' یہاں ضرور ملتا ہے، لیکن یہ ابھی تک 'بورژوا حق' ہے جو سب حقوق کی طرح یہاں بھی نابرابری کی گنجائش قائم رکھتا ہے۔ ہر ایک حق کا مطلب یہ ہے کہ مختلف لوگوں پر جو ایک جیسے نہیں ہیں، ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں، ایک ہی ناپ فٹ کردی جائے، اسی لئے 'برابر کا حق' دراصل مساوات کی خلاف ورزی ہے اور ناانصافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ شخص، جس نے دوسرے کے برابر سماجی محنت یا خدمت انجام دی ہے، سماج کی پیداوار سے برابر کا حصہ حاصل کرتا ہے (البتہ اس میں سے مذکورہ پبلک فنڈ منہا کرلیا جاتا ہے)۔

لیکن سب لوگ ایک سے نہیں ہیں کوئی مضبوط ہے، کوئی کمزور ہے، ایک شادی شدہ ہے، دوسرا نہیں، ایک کے زیادہ بچے ہیں، دوسرے کے کم، وغیرہ وغیرہ۔ مارکس نے اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ:

> ''محنت کی مساویانہ ادائیگی کرکے اور اس کی وجہ سے سماجی ضروریات کے فنڈ سے برابر کا حصہ پاکر ایک شخص کو واقعی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ملے گا، ایک زیادہ دولت پائے گا، دوسرا کم۔ ان تمام کوتاہیوں کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حق برابر نہ ہو بلکہ غیر مساوی ہو..''

نتیجہ یہ نکلا کہ کمیونزم کا پہلا مرحلہ مکمل انصاف اور مساوات قائم نہیں کرسکے گا۔ دولت میں فرق اور غیر منصفانہ اونچ نیچ پھر بھی کسی حد تک باقی رہے گی۔ لیکن آدمی کے ہاتھوں آدمی کا استحصال ناممکن ہو جائے گا کیونکہ پیداوار کے ذرائع، فیکٹریوں، مشینوں اور زمین وغیرہ پر ذاتی ملکیت قائم کرنا ممکن نہیں ہوگا۔ لاسال نے 'مساوات' اور عام طور سے 'انصاف' کے جو پٹی بورژوا اور گول مول جملے لکھے ہیں، ان کو سختی سے رد کرتے ہوئے مارکس نے کمیونسٹ سماج کے ارتقا کی راہ بیان کی ہے اور بتادیا ہے کہ کمیونسٹ سماج شروع میں اس حد تک رہنے پر مجبور ہے کہ ذرائع پیداوار کے ذاتی ملکیت بن جانے کی جو 'ناانصافی' ہے صرف اسی کو ختم کرے، یہ اس کے بس سے باہر ہے کہ فوراً ہی دوسری ناانصافی کو بھی مٹادے جو استعمال کی چیزوں کی تقسیم میں پائی جاتی ہے جو 'انجام دی ہوئی خدمت یا محنت کے مطابق' ملتی ہیں (ہر ایک کی ضرورت کے مطابق نہیں)۔

معاشیات کے لچر ماہرین، جن میں بورژوا پروفیسر اور 'ہمارے' اصلاح پسند دانشور بھی شامل ہیں، ہمیشہ سے سوشلسٹوں کو اس بات پر برا بھلا کہتے آئے ہیں کہ یہ لوگ اس کا خیال نہیں رکھتے کہ آدمیوں میں مساوات نہیں ہے اور اس نابرابری کو مٹا دینے کے 'خواب دیکھتے ہیں'۔ سوشلسٹوں کو یہ طعنہ دینا صرف اتنا ثابت کرتا ہے کہ بورژوا ماہرین انتہا درجے کے ناواقف لوگ ہیں۔

مارکس نے نہ صرف لوگوں کی اس نابرابری کو، جس کا کوئی حل نہیں ہے، بہت ٹھیک ٹھیک پیش نظر رکھا ہے، بلکہ یہ حقیقت بھی مانی ہے کہ ذرائع پیداوار کو ذاتی ملکیت سے نکال کر پورے سماج کی مشترکہ ملکیت بنا دینے سے (جسے حرف عام میں 'سوشلزم' کہتے ہیں) دولت کی تقسیم کے نقائص دور نہیں ہو جائیں گے اور اس 'بورژوا حق' کی نابرابری بھی نہیں جائے گی جو اس وقت تک حاوی رہے گا جب تک پیداوار کو 'ہر ایک کی محنت کی مقدار کے حساب سے' تقسیم کیا جاتا رہے گا۔ اسی سلسلے میں مارکس نے آگے چل کر کہا ہے:

''لیکن یہ کوتاہیاں کمیونسٹ سماج کے پہلے مرحلے میں باقی رہنی لازمی ہیں کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کمیونسٹ سماج سرمایہ دارانہ سماج میں سے ایک طویل دردِزہ کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ حق کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو سماج کے معاشی نظام اور اس سے منسلک سماجی تہذیبی ارتقا سے بالاتر ہو۔۔۔''

چنانچہ ظاہر ہوا کہ کمیونسٹ سماج کے پہلے مرحلے میں (جسے عام طور سے سوشلزم کہا جاتا ہے) 'بورژوا حق' پورے طور پر مٹایا نہیں جاتا بلکہ صرف جزوی طور پر، جتنا جتنا معاشی انقلاب بڑھتا جاتا ہے، اسی تناسب سے یہ بورژوا حق ختم ہوتا ہے یعنی صرف ذرائع پیداوار کی حد تک وہ ختم ہوتا ہے۔ 'بورژوا حق' تسلیم کرتا ہے کہ ذرائع پیداوار افراد کی ذاتی ملکیت ہوتے ہیں۔ سوشلزم انہیں سماج کی مشترکہ ملکیت بنا ڈالتا ہے۔ اس حد تک اور صرف اسی حد تک 'بورژوا حق' غائب ہو جاتا ہے۔

مگر جہاں تک اس کے دوسرے حصے کا تعلق ہے، ''بورژوا حق'' قائم رہتا ہے سماج کے ممبروں میں سامان کی تقسیم اور محنت کی تقسیم کے معاملے میں یہ ایک ریگولیٹر کا (معین کرنے والے

کا) کام کرتا ہے۔اشترا کی اصول کہ ''جو کام نہیں کرتا وہ کھائے گا بھی نہیں'' عمل میں آ چکتا ہے۔ دوسرا اصول کہ ''جتنی کوئی محنت دے، اتنا ہی وہ صلہ پائے'' یہ بھی عمل میں آ چکتا ہے۔ پھر بھی یہ کمیونزم نہیں ہے اور نہ اس سے ''بورژوا حق'' کا خاتمہ ہوتا ہے جو غیر مساوی لوگوں کو نابرابر (واقعی نابرابر) محنت کے بدلے میں برابر کا سامان دیتا ہے۔

مارکس کہتا ہے کہ یہ ایک ''کوتاہی'' یا خامی ہے، لیکن کمیونزم کے پہلے مرحلے میں اس کوتاہی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں، کیونکہ اگر ہم محض خیالی پلاؤ پکانے میں نہ لگ جائیں تو ہمیں یہ گمان بھی نہیں کرنا چاہئے کہ سرمایہ داری کا تختہ الٹتے ہی لوگ ایک دم حق کے کسی معیار کے بغیر سماج کی خاطر کام کرنے میں جت جائیں گے اور واقعہ یہ ہے کہ سرمایہ داری مٹ جانے سے فوراً اس قسم کی تبدیلی کے معاشی حالات تیار نہیں ہوجاتے ہیں اور ''بورژوا حق'' کے علاوہ اور کوئی پیمانہ یا معیار ہے بھی نہیں، اسی لئے ریاست کی بھی ضرورت باقی رہتی ہے جو ذرائع پیداوار کے مشترکہ ملکیت ہونے کی بھی حفاظت کرے اور اسی کے ساتھ محنت کی برابری اور پیداوار کی تقسیم میں مساوات کے قاعدے کی بھی نگہبانی کرتی رہے۔ ریاست صرف اس حد تک مٹتی ہے کہ اب سرمایہ دار باقی نہیں رہتے ہیں، اس کے نتیجے کے طور پر کسی طبقے کو کچلا نہیں جاسکتا۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ ریاست بالکل مٹ گئی کیوں کہ اب بھی اس ''بورژوا حق'' کی حفاظت و نگہبانی کا کام باقی رہتا ہے جو اصلی نابرابری کا پابند ہوتا ہے۔ ریاست کے قطعی مٹنے کے لئے ضروری ہے کہ مکمل کمیونزم قائم ہو چکا ہو''۔ (لینن، باب کمیونسٹ سماج کا پہلا مرحلہ، ریاست اور انقلاب سے اقتباس)

انقلاب کے بعد ماضی کے حکمران طبقات کے عالمی مالیاتی اداروں سے کیے جانے والے تمام معاہدے منظرِ عام پر لائے جائیں گے۔ ان معاہدوں کے نتیجے میں آنے والی تمام رقم کا حساب کیا جائے گا اور تمام بدعنوانی و لوٹ مار کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اسی طرح اس رقم کے بدلے میں دیے جانے والے تمام سود کی تفصیلات بھی بیان کی جائیں گی اور ماضی کی سرمایہ دارانہ ریاست کے تمام قرضوں اور سود کی ادائیگی کو منسوخ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح تمام پرانے معاہدوں کو رد کر دیا جائے گا۔ عالمی مالیاتی اداروں سے قرضے کے حصول کا سلسلہ ختم کر دیا جائے گا۔

سوشلسٹ ریاست کی مالیاتی پالیسی کا مقصد مقامی سطح سے لے کر مرکزی سطح تک سوویتوں کو وہ ضروری فنڈ مہیا کرنے ہیں تاکہ وہ پورے ملک میں دولت کی پیداوار اور تقسیم میں تمام لوگوں کی برابری کے حالات تیار کر سکیں۔

مزدور ریاست کا باقاعدہ بجٹ بنایا جائے گا جس میں ریاستی اخراجات اور آمدن کا حساب کیا جائے گا۔ پورے ملک کی سوویتوں کی کانگریس اور مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی یہ فیصلہ کریں گی کہ کون سی آمدن اور ٹیکس ریاستی بجٹ میں جائیں گے اور کونسے مقامی سوویتوں کو۔ اسی طرح ان ٹیکسوں کی حدود کا تعین بھی یہی ادارے کریں گے۔ سوویتیں صرف مقامی ضرورتوں کے لیے ٹیکس لگا سکیں گی جبکہ ریاستی اخراجات کو ریاستی خزانے سے پورا کیا جائے گا۔ سوویتوں کو مرکزی حکومت کی جانب سے قرضے دیے جا سکیں گے۔ تمام قرضوں اور دیگر اخراجات کو صرف اسی مد میں خرچ کیا جا سکے گا جس کا فیصلہ سوویتوں کے اجلاس میں ہوگا۔ بجٹ کے علاوہ مرکزی اداروں کی منظوری کے بغیر کوئی اخراجات نہیں کیے جا سکیں گے۔

ہر سطح پر سالانہ اور ششماہی بنیادوں پر آمدن اور اخراجات کا تخمینہ لگایا جائے گا جنہیں بالائی اداروں کو منظوری کے لیے بھجوایا جائیگا۔ مخصوص حالات میں اضافی قرضے یا سبسڈی کی سہولت موجود ہوگی۔ قرضوں یا لین دین پر کسی بھی قسم کے سود پر سخت ممانعت ہوگی اور سودی کاروبار کرنے والے کو سب سے سخت سزا دی جائے گی۔

یہاں یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ عالمی مالیاتی اداروں کے ساتھ ناطہ توڑنے کے باعث آنے والے بے شمار معاشی واقتصادی مسائل کو کیسے حل کیا جائے گا۔ اس کا سب سے پہلا جواب تو یہ ہے کہ محنت کش طبقہ پہلے ہی انتہائی کٹھن معاشی حالات میں زندگی گزار رہا ہے اور اس کا معیار زندگی روز بروز گرتا جا رہا ہے۔ 18 گھنٹے تک روزانہ محنت کرنے کے باوجود اس کی ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتیں۔ ایسے میں جب تمام ذرائع پیداوار اجتماعی ملکیت میں آجائیں گے تو بہت سی بنیادی ضروریات ملک کے اندر سے ہی موجود وسائل سے پوری کی جا سکتی ہیں۔ لیکن چونکہ معیشت کا کردار بہت زیادہ عالمگیریت اختیار کر چکا ہے اس لیے آغاز میں بہت سی رکاوٹوں اور

چیلنجوں کا بھی سامنا کرنا پڑے گا۔کرنسی کی قدر میں تیز ترین گراوٹ اس کا ایک اہم اظہار ہوگی۔ اسی طرح بہت سی اقسام کا خام مال اور ایڈوانس ٹیکنالوجی عالمی سامراجی طاقتوں کی جانب سے اس سوشلسٹ ریاست کے لیے ممنوع قرار دے دی جائے گی۔عمومی طور پر حکمرانوں کے پروردہ تجزیہ کار سامراج کی ایک مبالغہ آرائی کی حد تک طاقت کے خوف میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔لیکن پابندیاں جہاں لگی ہیں اور انقلاب کے بعد ایک سوشلسٹ پاکستان پر لگائی بھی جائیں گی لیکن سامراجی اجارہ داریوں نے بھی تو کاروبار اور تجارت کرنی ہے۔اس لئے ان کی بھی یہ ضرورت ہوگی کہ اپنی ٹیکنالوجی اور دوسری اشیا کو فروخت کریں لیکن ایک سوشلسٹ ریاست میں نہ تو کمیشن ہوں گے اور نہ سودے بازیاں۔ان سے کاروبار سخت ترین بنیادوں پر ہوگا جبکہ تمام بیرونی تجارت پر مکمل ریاستی اجارہ داری ہوگی اور کسی بھی قسم کی نجی تجارت کی مکمل پابندی ہوگی۔منصوبہ بند معیشت کو انقلابی بنیادوں پر استوار کرنے اور انقلاب کو دوسرے ممالک تک پہنچانے کے مسلسل عمل سے ان کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔

اس کے لیے سب سے پہلے محنت کی پیداواریت (Productivity of Labour) کو تیزی سے بڑھانا ہوگا۔اس کے لیے بڑی پیداواری صنعت کی مادی بنیادوں کو یقینی بنانا ہوگا۔اس میں تیل، لوہے، کیمیکل، الیکٹرونکس اور انجینئرنگ کی صنعت کو تیزی سے فروغ دینا ہوگا۔اس کے علاوہ پانی، بجلی، گیس، معدنیات اور قیمتی دھاتوں کے ذخائر کے تخمینے کے لیے جہاں ایک نیا سروے کیا جائے گا وہاں پہلے سے موجود انفراسٹرکچر اور دیگر صنعتوں کو جدید بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے ذرائع پیداوار کی ترقی کے لیے استعمال کرنا ہوگا۔

انقلاب کے بعد اجتماعی پیداوار میں اضافے کے بعد نئی کرنسی مضبوط بنیادوں پر استوار ہو گی۔یہ مرحلہ چند ماہ پر محیط ہوسکتا ہے۔اس دوران سوشلسٹ ریاست کی کرنسی کی قدر میں گراوٹ کے لیے سوشلسٹ ریاست کے اندرونی اور بیرونی دشمن مختلف حربے استعمال کریں گے لیکن منصوبہ بند معیشت کی منڈی کی معیشت پر فوقیت ان تمام حربوں کو ناکام بنائے گی اور پیداوار میں تیز ترین اضافہ نہ صرف اس نئی کرنسی کو مضبوط کرے گا بلکہ اکثریت کے معیار زندگی کو بلند کرے گا۔

اسی طرح مرکزی بینک کی شاخوں کومختلف جگہوں پر پھیلایا جائے گا اور اس کے زیرِ نگرانی کرنسی کے ہوتے ہوئے اس کی بلاسود فراہمی سے سوویتوں کے ذریعے ترقیاتی منصوبوں اور تعمیری پروگراموں کو منظّم کیا جائے گا۔ پسماندہ علاقوں میں ان ترقیاتی منصوبوں کو کئی گنا زیادہ استوار کیا جائے گا۔ جہاں سرکاری بینکاری کا مقصد صرف اور صرف سوشلسٹ منصوبہ بند معیشت کو مضبوط کرنا اور سوویتوں کی مالیاتی واقتصادی امداد کرنا ہوگا۔

تجارت اور سرمایہ کاری (بیرونی)

ملک کے اندر ہونے والی تمام تجارت اور لین دین کی ریاست خود نگرانی کرے گی۔ اندرونی تجارت کے لیے بنائے گئے ریاستی ادارے کے مختلف شعبے ہوں گے جن میں پیداواری یونٹوں سے اشیا خریدنے والا شعبہ، اشیا کو مختلف علاقوں اور صنعتوں میں تقسیم کرنے والا شعبہ اور پھر خریداروں کے لیے ضروریات مہیا کرنے والے سٹوروں اور صنعتوں کو اشیا فراہم کرنے والا شعبہ ہوں گے۔ ان کے مختلف ذیلی شعبے بھی بنائے جاسکیں گے لیکن تمام تجارت ریاست کے زیرِ کنٹرول ہوگی۔

بیرونی تجارت، برآمدات اور درآمدات پر بھی ریاست کی مکمل اجارہ داری ہوگی اور کسی بھی فرد یا نجی کمپنی کو اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ بیرونی تجارت کے لیے بنایا گیا کیسا ریٹ گو کہ اس کام کی نگرانی کرے گا لیکن برآمدات اور درآمدات کو مختلف ریاستی تجارتی ادارے اور صنعتی و زرعی سوویتوں کی تنظیمیں سرانجام دیں گی۔ بیرونی ممالک میں انہی تنظیموں کے منتخب وفود خریداری اور فروخت کرسکیں گے۔

سوشلسٹ انقلاب کے بعد یقیناً عالمی سامراج اور مالیاتی اداروں کی جانب سے تجارت پر پابندیاں عائد کی جائیں گی لیکن منڈی میں ہمیشہ ایسے گاہک موجود رہیں گے جو اعلیٰ معیار کی اشیا مناسب قیمت پر خریدنے کے لیے تیار ہوں گے۔ اسی طرح اتنی بڑی آبادی کے ملک کی خام مال اور دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی بہت سے لوگ دوسروں کی مسابقت میں اپنا مال ان

پابندیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بیچنے کے خواہاں ہوں گے۔ موجودہ حالات میں آبادی کی ایک بہت بڑی اکثریت کو معاشی دھارے سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ انقلاب کے بعد جب اکثریت کا معیار زندگی بلند ہوگا تو اشیائے ضرورت کی کھپت بھی وسیع تر بنیادوں پر بڑھ جائے گی۔

اسی طرح ایڈوانس ٹیکنالوجی کے حصول یا دیگر کسی شعبے کے لیے اگر کہیں سے کوئی مدد ملتی ہے اور بیرونی سرمایہ کاری کی ضرورت پڑتی ہے تو اسے بھی مکمل ریاستی کنٹرول میں ہی ملک میں لایا جائے گا اور انقلابی حکومت خود براہ راست بیرونی سرمایہ کاروں کے ساتھ معاہدہ کرے گی جس میں ٹیکنالوجی کی سوشلسٹ ریاست کو بتدریج منتقلی کی شرط بھی شامل ہوگی۔

صنعت و قدرتی وسائل

پاکستان میں صنعتوں کو ریاستی کنٹرول میں لینے کی بات کی جائے تو بورژوا دانشوروں کی جانب سے پیپلز پارٹی کے پہلے دور حکومت میں ذوالفقار علی بھٹو کی نیشنلائزیشن کی پالیسی کو بنیاد بنا کر تنقید کی جاتی ہے جبکہ حقائق اس سے بہت مختلف ہیں۔ اول تو وہ نیشنلائزیشن کی پالیسی آج کی نجکاری کی پالیسی سے کہیں زیادہ مثبت اور بہتر تھی جب لوگوں کو روزگار ملا اور عوام کے لیے انفراسٹرکچر کی سہولیات میں اضافہ ہوا۔ لیکن اس کا ادھورا پن ہی اس حکومت کے زوال کا باعث بنا۔

سوشلسٹ ریاست میں صنعتوں کو ریاستی کنٹرول میں لینے کی پالیسی نیشنلائزیشن سے بہت مختلف ہے۔ اول تو نیشنلائزیشن سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہتے ہوئے کی گئی تھی جبکہ سوشلسٹ یا منصوبہ بند معیشت کا وجود ہی سرمایہ دارانہ نظام کے خاتمے کے بعد عمل میں آئے گا۔ اس کے علاوہ سوشلسٹ ریاست مخصوص شعبوں اور صنعتوں کو ریاستی تحویل میں لینے کی بجائے تمام صنعتوں اور شعبوں کو ریاستی تحویل میں لے گی اور ان کے مالکان کو کسی قسم کی کوئی مالیاتی تلافی یا ادائیگی نہیں کی جائے گی۔ چونکہ وہ اپنے منافعوں کی قدر زائد کی صورت میں محنت کشوں کی نسلوں کی محنت کو لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ ریاستی تحویل میں لینے کے بعد ان صنعتوں کو منیجروں یا بیوروکریٹوں کی نگرانی میں نہیں دیا جائے گا بلکہ اسی صنعت کے مزدور اپنے جمہوری کنٹرول کے ذریعے اسے چلائیں گے اور

اس کی نگرانی وانتظام مقامی سوویتیں کریں گی۔اسی طرح اجرتوں اور کام کے اوقات کار کا تعین بھی جمہوری مرکزیت کے اصولوں کے تحت ہوگا۔ ہنگامی حالات میں اس میں ردوبدل کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح اگر بیرونی دشمن کے ساتھ جنگ جاری نہیں تو سرخ فوج کے سپاہیوں کو بھی صنعتوں میں ذمہ داریاں دی جائیں گی۔فوج کا صرف ڈھانچہ برقرار رکھا جائے گا اور انتہائی پرخطر سرحد پر ہی فوج تعینات ہوگی جبکہ اکثریت کو سوشلسٹ ریاست کی تعمیر کا کام دیا جائے گا۔اسی طرح حالتِ جنگ میں صنعتوں اور کھیتوں سے افرادی قوت سرحد پر منتقل کی جائے گی۔اس طرح کی تربیت کے لیے خصوصی ادارے قائم کیے جائیں گے جہاں دفاع، صنعتی کام، جدید ٹیکنالوجی سے مراتبت اور تعلیم وتربیت جیسے بنیادی کام تمام افراد کو سکھائے جائیں گے تا کہ بڑی تعداد میں ایسے افراد موجود ہوں جو انقلاب کی ہر محاذ پر قیادت اور حفاظت کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔

سرمایہ دارانہ نظام میں پیداوار کا مقصد منافع کا حصول ہوتا ہے اس لیے سرمایہ دار کے منافع کی ہوس کی تکمیل کے لیے تمام پالیسیاں ترتیب دی جاتی ہیں۔سوشلسٹ ریاست میں انفرادی و کاروباری منافع کے نظام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ پیداوار کا مقصد سماج کی ضروریات کی تکمیل ہو گا۔اس لیے صنعتوں کی پیداوار سے ہونے والی آمدن سے جہاں ایک حصہ اجرتوں اور مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے صرف کیا جائے گا وہاں نئے خام مال کی خریداری، مشینری کی ٹوٹ پھوٹ کی درستگی اور نئی جدید مشینری کی استواری کے لیے بھی رقم مختص کی جائے گی۔ان تمام آمدن و اخراجات کی تفصیلات مزدوروں کی اسمبلی کے سامنے رکھی جائیں گی اور اکثریتی رائے سے فیصلے کیے جائیں گے۔سرمایہ داری میں اکاؤنٹ کا حساب کتاب رکھنے کے لیے ماہرین رکھے جاتے ہیں جن کی پیچیدگیوں کا مقصد ٹیکس اور بلوں کی ادائیگی میں ہیرا پھیری اور اجرتوں میں کمی کے رجحان کو برقرار رکھنا ہوتا ہے، MBA کی ڈگریاں اسی مقصد کے لئے دی جاتی ہیں۔سوشلسٹ نظام میں اس ہیرا پھیری کی ضرورت نہیں رہے گی اور اکاؤنٹس کے موٹے موٹے رجسٹروں سے مزدوروں کو نجات ملے گی۔

اس کے علاوہ سرمایہ دار بھی اپنی صنعت کو چلانے کے لیے تکنیکی ماہرین کی خدمات حاصل

کرتا ہے۔ان تکنیکی ماہرین کا عمومی رجحان اپنی طبقاتی بنیادوں کے باعث سرمایہ داری کی حمایت میں ہوتا ہے۔مزدور ریاست میں کسی اہلکار کی اجرت عام ہنرمند مزدور کی اجرت سے زیادہ نہیں ہو سکتی،اس لیے ممکن ہے کہ آغاز میں یہ ماہرین مزدور ریاست کو اپنی خدمات دینے میں مشکلات حائل کریں۔انقلاب کے بعد مزدور اپنی صنعت کے خود مالک ہوں گے اس لیے تکنیکی مسائل کو حل کرنے کے لیے اس مخصوص صنعت کے مزدور جمہوری فیصلوں کے ذریعے ان کی خدمات کو وقتی طور پر اضافی اجرت دے کر حاصل کر سکتے ہیں۔

صنعت کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا جائے گا،جن میں پہلا اور اہم حصہ ہیوی انڈسٹری ہو گی جس میں ان اشیا کی پیداواری صنعت شامل ہو گی جو اشیا دوسری اشیا کی تیاری کے لیے خام مال کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔جبکہ دوسرے حصے میں اشیائے صرف بنانے والی صنعت ہو گی جیسے خوراک،لباس،جوتے،گھر اور ہیوی انڈسٹری کی ایسی پیداواری اشیا جنہیں ایک گھر کے افراد استعمال کرتے ہیں جن میں گھریلو استعمال کے الیکٹرانکس و دیگر آلے وایندھن وغیرہ۔

دھات کاری کی صنعت (میٹیلرجی) کو ہیوی انڈسٹری میں مرکزی اہمیت حاصل ہو گی جس کے ذریعے دوسری صنعتوں کو مختلف دھاتیں خصوصاً لوہا فراہم کیا جائے گا۔اس کے علاوہ ہیوی مشینری کی پیداوار اور انجینئرنگ بھی انتہائی اہمیت کی حامل ہو گی۔آج پاکستان میں ہیوی مکینیکل کمپلیکس ٹیکسلا سے لے کر ریلوے کیرج فیکٹری راولپنڈی اور مشین ٹول فیکٹری اور اسٹیل مل کراچی تک مختلف صنعتیں موجود ہیں لیکن بدعنوانی اور منافعوں کی ہوس ان اداروں کو تباہ کر رہی ہے۔سوشلسٹ ریاست میں ان اداروں کو جدید بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے اہم حاصلات لی جا سکتی ہیں۔اس کے علاوہ ایسی صنعتوں کو ملک کے طول وعرض میں پھیلایا جائے گا اور ہوائی جہاز کی تعمیر کی صنعت کے قیام کی بھی ہنگامی بنیادوں پر کوشش کی جائے گی اور بحری جہاز سازی کی صنعت کو ترقی دی جائے گی۔اس ملک میں سرمایہ داری غیر ہموار اور مشترک بنیادوں پر استوار ہوئی ہے۔ جہاں گاڑی اور موٹر سائیکل کا انجن درآمد کیا جاتا ہے لیکن ایٹم بم خود بنایا جاتا ہے۔ طیارہ سازی کی صنعت کا وجود ہی نہیں لیکن میزائل تیار کیے جا رہے ہیں۔سوشلسٹ ریاست اس نا

ہمواری کا خاتمہ کرے گی اور تمام ٹیکنالوجی اور وسائل کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرے گی۔

اشیائے صرف میں غذا، ٹیکسٹائل اور چند دوسری صنعتیں بہت اہمیت کی حامل ہوں گی۔ آج پاکستان میں ہزاروں کارخانے بند پڑے ہیں اور ان کی مشینوں کو زنگ لگ رہا ہے۔ دوسری طرف لاکھوں لوگ بیروزگار ہیں۔ انقلاب کے بعد ان تمام بند صنعتوں کو چالو کیا جائے گا اور پہلے سے موجود ٹیکسٹائل کی صنعت کو ملک کی آبادی کی لباس و دیگر ضروریات کی تکمیل کے لیے قابل عمل بنایا جائے گا۔ اسی طرح فارماسیوٹیکل کی صنعت کو بھی فروغ دیا جائے گا جہاں منافعوں کی شرح آج شاید سب سے زیادہ ہے۔ مفت علاج کی سہولت کے تحت تمام دوائیاں مفت مہیا کی جائیں گی اور اس صنعت کے تمام اخراجات خود ریاست برداشت کرے گی۔ اسی طرح کاغذ، پلاسٹک و دیگر صنعتوں کو فروغ دیا جائے گا۔ کمپیوٹروں اور الیکٹرانکس کے آلات کی صنعت میں بے شمار مشکلات پیش آئیں گی جس میں ایک طرف تو ریاستی سطح پر عالمی اجارہ داریوں سے معاہدے کیے جا سکتے ہیں اور دوسری طرف ملک کے اندر سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے بڑے پیمانے پر تحقیقی ادارے، یونیورسٹیاں قائم کرنے اور دیگر اقدامات کر کے اس ٹیکنالوجی کو حاصل کرنے کو فوقیت دی جائے گی۔

تیل کی کمی کو جوہری توانائی کے ذریعے بھی پورا کیا جا سکتا ہے جسے انسانی تباہی کے آلات بنانے کی بجائے انسان کی فلاح کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جوہری توانائی کے عمل میں **fission** یا انشقاق کی بجائے **fusion** ادغام کی تکنیک استعمال کی جائے جو کہ صاف ستھری، انتہائی سستی اور تقریباً لامحدود ہے (کیونکہ ہائیڈروجن پانی میں موجود ہوتی ہے) تو بہت سے مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ پن بجلی، سورج سے حاصل کردہ توانائی، ہوا کے جھونکوں سے بجلی کی پیداوار اور دوسرے جدید اور نئی دریافتوں پر مبنی طریقہ کار کے لئے قدرِ زائد صرف کی جائے گی۔ بجلی کی پیداوار کرنے والی سامراجی و مقامی نجی صنعتوں کو بغیر کسی تلافی کے ضبط کر کے ان کی پیداوار کے اب آدھی سے بھی کم استعمال کو پورا کر کے لوڈشیڈنگ ختم ہو گی اور اضافی بجلی حاصل ہو سکے گی۔

تیل کی ریفائنریوں کو بھی اہمیت حاصل ہو گی اس کے علاوہ ایندھن کی ضروریات پوری کرنے کے لیے گیس، کوئلہ، شمسی توانائی اور دیگر ذرائع بھی استعمال کیے جائیں گے۔ ملک میں بڑے پیمانے پر قدرتی وسائل موجود ہیں لیکن ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری اور حکمرانوں کے کمیشنوں کی لالچ میں انہیں استعمال میں نہیں لایا جا رہا۔ ملک میں موجود تیل کی دریافت سے لے کر تقسیم تک موجود ڈھانچے میں تمام ملٹی نیشنل کمپنیوں کی املاک اور مشینری کو ضبط کر لیا جائے گا اور یہ تمام کام ریاستی تحویل میں لیتے ہوئے مزدوروں کے جمہوری کنٹرول میں دے دیا جائے گا۔ تمام پیٹرول سٹیشنوں پر ایک ہی معیار کا تیل ریاستی ادارے کے ذریعے تقسیم کیا جائے گا۔ گیس کے بھی تمام ذخائر کو ملٹی نیشنل کی جکڑ سے آزاد کرایا جائے گا اور اس میں موجود ہر قسم کی منافع خوری کو ختم کر دیا جائے گا۔ دیگر معدنیات اور دھاتیں جیسے سونا، قیمتی پتھر وغیرہ بھی مکمل طور پر سوشلسٹ ریاست کے کنٹرول میں ہوں گی۔ اس کے علاوہ سمندر اور دریاؤں سے حاصل کی جانے والی ہر قسم کی پیداوار بھی سماج کی اشتراکی ملکیت میں ہو گی۔

اسی طرح بہت سی کیمیکل کی صنعتوں کو منافع میں گراوٹ کے خطرے سے پوری پیداواری صلاحیت پر نہیں چلایا جا رہا۔ انقلاب کے بعد نہ صرف نئی صنعتوں کی بڑے پیمانے پر ضرورت محسوس ہو گی بلکہ پہلے سے موجود صنعتوں کی پیداواری صلاحیت کو بڑے پیمانے پر بڑھایا جائے گا۔

اپنی تصنیف ''انقلاب سے غداری'' میں ٹراٹسکی وضاحت کرتا ہے کہ:

''سرمایہ داری اور سوشلزم کے درمیان عبوری دور کو اگر کُل کے طور پر لیا جائے تو اس میں تجارت میں کمی نہیں ہو گی بلکہ بہت بڑا پھیلاؤ آئے گا۔ صنعت کی تمام شاخوں کی کایا پلٹ جائے گی اور ان میں بڑھوتری ہو گی۔ نئی صنعتیں مسلسل ابھریں گی اور ایک دوسرے سے اپنے مقداری اور معیاری رشتے طے کرنے پر مجبور ہوں گی۔ مزارع کی مکمل کھپت کی معیشت اور بند گھریلو زندگی کا خاتمہ سماجی تبادلے اور پھر روپے کی گردش میں تبدیل ہو گا۔ جہاں پہلے تمام قوت مزارع کی زمین کی حدود میں لگتی تھی یا اس کی نجی رہائش کی چار دیواری کے اندر۔ تمام پیداواری اشیا اور خدمات تاریخ میں پہلی دفعہ ایک دوسرے کے ساتھ تبادلے میں آئیں گی۔''

ان بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر بیروزگاری کا بڑے پیمانے پر خاتمہ ہو گا اور نوجوانوں کو ہنر مند بنانے کے ساتھ ساتھ انہیں سماج کی تعمیر وترقی میں حصہ لینے کا بھرپور موقع ملے گا۔ بہت جلد ملک میں بیروزگاری ختم ہو جائے گی جس سے جرائم، غنڈا گردی اور نشہ آوری کا خاتمہ ہونے کے ساتھ ساتھ آبادی کی اکثریت کا شعوری اور ثقافتی معیار بلند ہوگا۔

مرکزی سطح پر لیبر انسپکشن کا ادارہ بنایا جائے گا جس کی شاخیں پورے ملک میں موجود ہوں گی۔ اس کا مقصد سیفٹی اور صحت کے پیمانوں کے معیار کو قائم کرنا ہوگا تا کہ حادثات اور کام کے دوران پھیلنے والی بیماریوں کو کنٹرول کیا جا سکے۔ اس ادارے میں انتہائی تربیت یافتہ سیاسی شعور کے ساتھ ساتھ فنی امور کی مہارت رکھنے والے افراد کو رکھا جائے گا اور یہ ادارہ مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی کے ماتحت ہوگا۔ کام کے دوران حادثے کی صورت میں زخمی یا اپاہج ہونے والے مزدوروں اور ان کے خاندان کے تمام اخراجات کی ذمہ داری سوشلسٹ ریاست کی ہوگی۔

14 سال سے کم عمر کا کوئی فرد صنعتوں میں مزدوری نہیں کر سکے گا جبکہ **14** سے **16** سال کی عمر تک صرف **4** گھنٹے کام کی اجازت ہوگی۔ تمام صنعتوں میں ہر شعبے اور کام کے لیے اپرنٹس کی ایک مخصوص تعداد کی تربیت کرنا لازمی ہوگا۔

تمام مزدوروں کو رہائش، پانی، بجلی، ٹرانسپورٹ، کام کے دوران پہنے جانے والے کپڑے، تعلیم اور علاج کی سہولیات مفت فراہم ہوں گی۔ یہ مزدور ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔

تمام ملٹی نیشنل کمپنیوں اور صنعتوں کو مزدور ریاست کے کنٹرول میں لینے کے باعث نہ صرف ایک ہی شے بنانے والی مختلف کمپنیوں اور برانڈ کا خاتمہ ہوگا بلکہ منافع کی ہوس کے لیے کی جانے والی مقابلہ بازی بھی اختتام پذیر ہوگی اور ایک شے ہر کسی کو ایک ہی قیمت اور ایک ہی معیار کی دستیاب ہوگی۔

اجرتوں اور قیمتوں کا تعین

ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت کے خاتمے سے پہلے منڈی انسان پر حکومت کرتی ہے اور

انسانیت اپنے ہی بنائے ہوئے معاشی قوانین کے سامنے بے بس ہوتی ہے۔ ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لینے کے بعد انسان شعوری طور پر معیشت کو کنٹرول کرتا ہے۔ لیکن شعوری طور پر کنٹرول سے مراد یہ نہیں کہ وہ عبوری دور کی ذرائع پیداوار کی مادی حدود کو پھلانگ سکتا ہے۔ گو کہ اب ذرائع پیداوار کو اجتماعی ملکیت میں لینے کے باعث ان حدود کو تیزی سے بڑھایا جا سکتا ہے اور سماج کی مادی بنیادوں کو نئی بلندیوں پر پہنچایا جا سکتا ہے جہاں ریاست اور ریاستی کنٹرول کی ضرورت ختم ہونے لگتی ہے۔ یہ درحقیقت ایک جدلیاتی تضاد ہے جو اس سماج کی متضاد کیفیت سے جنم لیتا ہے جس نے ماضی سے اپنا رشتہ توڑ لیا ہے لیکن ابھی اس کے پاس وہ مادی، تکنیکی اور ثقافتی معیار نہیں کہ وہ فوری طور پر اس سطح پر پہنچ جائے جسے اینگلز ''آزادی کا عہد'' کہتا ہے۔

اسی طرح قیمت دراصل قدر کی حقیقت (actuality) ہے۔ جب کوئی شے اپنی قیمت پر فروخت ہوتی ہے تو وہ اپنی قدر کے جوہر کو وصول کرتی ہے۔ اسی طرح قدر تبادلہ انسانی محنت کی وہ مقدار ہے جو کسی شے میں مجسم ہوتی ہے۔

سوشلسٹ نظام کا خیالی تصور کرنے والے سمجھتے ہیں کہ سوشلزم میں قدر کا قانون ختم ہو جائے گا اور اجرتوں اور قیمتوں کا تعین ریاست کو چلانے والے اور منصوبہ بندی کرنے والے افراد اپنی من مرضی سے کر سکیں گے۔ لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ ہمیں اس سیاسی معاشیات کے سوال کو سائنسی بنیادوں پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مارکس کے الفاظ میں سوشلسٹ ریاست سرمایہ داری کی کوکھ سے جنم لے گی جو یقیناً ایک نیا نظام ہو گا لیکن اس پر اس کے جنم کے داغ موجود ہوں گے۔

نئے معاشی نظام میں ریاست معیشت کی منصوبہ بندی اور انتظام کر سکتی ہے، اجرتوں اور قیمتوں کو مخصوص حدود میں رکھنے کے لیے پالیسیاں ترتیب دے سکتی ہے لیکن قدر کے قانون کی حدود میں رہتے ہوئے۔ عبوری دور میں قدر کا قانون ختم نہیں ہوتا بلکہ جدت اختیار کرتا ہے۔ ابتدائی دور میں اجرتوں اور قیمتوں کا نظام موجود رہے گا۔ ریاست اپنی من مرضی سے قیمتوں کا تعین نہیں کر سکتی اور نہ ہی گردش میں موجود روپوں کی مقدار کا تعین کر سکتی ہے۔ روپیہ بھی آخر کار ایک شے (جنس) ہے، گو کہ ایک خاص قسم کی شے (اشیا کی شے)۔ اینگلز نے اس بارے میں اینٹی

ڈوہرنگ میں لکھا تھا:

''اگر جناب ڈوہرنگ کے مطابق تلوار (ریاست) کے پاس جادوئی معاشی طاقت ہے تو پھر ایسا کیوں نہیں ہو سکا کہ کوئی بھی حکومت غلط روپے کو مجبور کر کے مستقل طور پر اچھے روپے کی ''قدر تقسیم'' دے دیتی یا اسیکنیٹس (انقلاب فرانس کے وقت کی کرنسی) کو سونے کی ''قدر تقسیم'' دے دیتی''۔

مارکسی معیشت کے مطابق قدر کا قانون تمام اشیا کی پیداوار کی بنیاد ہے۔ سرمایہ داری میں یہ اپنی بلند ترین سطح پر پہنچ جاتا ہے، جہاں اشیا کی پیداوار آفاقی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ قدر کے قانون کی بنیاد یہ ہے کہ اشیا کی قدر کا تعین ان میں موجود سماجی ضروری محنت (''منجمد وقتِ محن'') سے ہوتا ہے۔ اس قدر کا اظہار اشیا کے تبادلے میں ہوتا ہے۔ یہ قانون سرمایہ دارانہ نظام کو مقابلے کے دوران طلب اور رسد میں تبدیلی کے ذریعے منظّم کرتا ہے۔ انقلاب کے بعد کی مزدور ریاست میں اشیا کی پیداوار جاری رہے گی اور اسی طرح قدر کا قانون بھی جدید ہیئت میں کام کرنا جاری رکھے گا۔

سٹالن نے اپنی تصنیف ''سوویت یونین کے معاشی مسائل'' میں لکھا تھا کہ یہاں ہم نے قدر کے قانون کا خاتمہ کر دیا ہے جو ایک بہت بڑی غلط بیانی تھی۔ مارکس، اینگلز، لینن اور ٹراٹسکی کی تحریروں میں اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے کہ کمیونزم تک کے عبوری دور میں جہاں ریاست کا کردار مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا وہاں قدر کا قانون بھی ختم نہیں کیا جا سکتا۔

مارکس کے مطابق انقلاب کے بعد کے عبوری دور میں اشیا کی تقسیم ''محنت کے مطابق'' ہوتی ہے جبکہ کمیونزم میں ہی وہ ''ضرورت کے مطابق'' تک کے مرحلے پر پہنچ پاتی ہے۔ یعنی ایک جتنی محنت کا تبادلہ ہوتا ہے جسے وقت محن سے ماپا جاتا ہے۔ سماجی پیداوار کے نامیاتی جسم میں تبدیلی، پیداوار کرنے والوں کی تاریخی سطح کے بلند ہونے اور تقسیم کے رشتے تبدیل ہونے سے تقسیم کا ڈھنگ بھی تبدیل ہو جائے گا۔ ''برابر محنت کا تبادلہ'' پرانے سماج کے جنم کا داغ ہے جو اس نئے نظام میں بھی موجود ہے۔ مارکس لکھتا ہے:

’’پیداوار کرنے والا فرد، کٹوتیاں کرنے کے بعد، سماج سے بالکل اتنا واپس لیتا ہے جتنا اس نے دیا ہے۔اس نے سماج کو اپنی انفرادی محنت کی ایک خاص مقدار دی ہے۔مثال کے طور پر سماج میں ایک کام کا دن انفرادی کام کے گھنٹوں پر مشتمل ہے، ایک پیداوار کرنے والے فرد کا اپنا وقتِ محن سماج میں کام کے ایک دن میں اس کا حصہ ہے۔یعنی اس فرد نے جو اپنا حصہ سماج کے اس کام کے دن میں ڈالا ہے۔وہ سماج سے ایک سند وصول کرتا ہے کہ اس نے اتنی مقدار میں محنت کی ہے (جس میں سے مشترکہ فنڈ کے لیے اس کی محنت کاٹ لی جاتی ہے)اور اس سند سے وہ اشیائے ضرورت کے ذخیرے میں سے اتنی ہی محنت کی قیمت کی اشیا حاصل کر لیتا ہے۔جتنی مقدار میں محنت اس نے سماج کو ایک ہیئت میں دی ہے، وہ دوسری ہیئت میں حاصل کر لیتا ہے‘‘۔

کمیونسٹ سماج میں تقسیم کے ایسے رشتے جس میں برابر محنت کا تبادلہ کیا جاتا ہے ختم ہو جائیں گے اور تقسیم ’’ضرورت کی بنیاد‘‘ پر ہو گی۔یعنی تقسیم کے لیے درکار وقت محن کو ماپنے کی ضرورت نہیں رہے گی اور مجرد انسانی محنت کا خاتمہ ہو جائے گا۔اسی باعث مجرد انسانی محنت کے خصوصی کردار کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔کمیونسٹ سماج میں چیزوں کا اشیا (اجناس) کے طور پر کردار بھی ختم ہو جائے گا اور جہاں ریاست اور طبقاتی نظام مکمل طور پر تحلیل ہو جائے گا اور انسان صرف چیزوں کے انتظام کا کام کریں گے۔

لیکن سوشلسٹ سماج میں مجرد انسانی محنت کا کردار موجود رہے گا۔’’گوتھا پروگرام پر تنقید‘‘ میں مارکس لکھتا ہے:

’’یہاں (سوشلزم میں محنت کے برابر تبادلے کی بنیاد پر تقسیم کے رشتوں میں) جب تک برابر کی قدروں میں تبادلہ ہو گا، صاف طور پر وہی اصول حاوی ہو گا جو اشیا کے تبادلے کو منظّم کرتا ہے۔لیکن ہیئت اور مافیہہ تبدیل ہو جاتا ہے، کیونکہ تبدیل شدہ حالات میں کوئی بھی سوائے اپنی محنت کے کچھ نہیں دے سکتا اور اسی لیے دوسری طرف افراد کی ملکیت میں کوئی شے نہیں جا سکتی سوائے اشیائے ضرورت کے۔لیکن جہاں تک پیداوار کرنے والے افراد میں اشیائے ضرورت کی تقسیم کا تعلق ہے، یہاں وہی اصول حاوی ہے جو اشیا کے تبادلے میں ہے۔ایک ہیئت میں محنت

کی مخصوص مقدار کا تبادلہ اتنی ہی مقدار کی محنت سے دوسری ہیئت میں ہوتا ہے''۔

سرمایہ دارانہ نظام کی اشیا کی دنیا میں قدر کا جوہر مجرد انسانی محنت ہے۔قدر کے حجم کو محنت کی مقدار سے ماپا جاتا ہے اور محنت کی مقدار کو سماجی طور پر ضروری صَرف شدہ وقت کے دورانیے سے ماپا جاتا ہے۔سماجی طور پر ضروری صَرف شدہ وقت کا تعین کرنے کے لیے کسی ایک ملک کی بجائے عالمی معیشت کو مدنظر رکھنا پڑے گا کیونکہ معیشت کی عالمگیریت کے باعث پوری دنیا ایک منڈی بن چکی ہے۔انقلابِ روس کی تاریخ میں ٹراٹسکی لکھتا ہے:

''سوشلزم سماجی پیداوار کی انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے منصوبہ بند اور متجانس (homogenous) تنظیم ہے۔ذرائع پیداوار کی اجتماعی ملکیت ابھی سوشلزم نہیں بلکہ اس کی ایک قانونی تمہید ہے۔سوشلسٹ سماج کے مسئلے کو پیداواری قوتوں کے مسئلے سے مجرد کر کے نہیں دیکھا جا سکتا کیونکہ پیداواری قوتوں کا جوہر انسانی ترقی کے موجودہ مرحلے پر عالمگیر ہے''۔(صفحہ 1237)

جب تک اشیا کا تبادلہ برابر قدروں کا تبادلہ ہے تو اس میں سماجی محنت کی برابر مقدار بھی شامل ہے۔سوشلزم میں تقسیم کے رشتوں میں وہی اصول کاربند ہے جو برابر قدر کی حامل اشیا کے تبادلے میں ہے۔دوسرے الفاظ میں محنت کی برابر مقدار کا تبادلہ ہوتا ہے۔

لیکن مارکس نے جس بنیادی فرق کی جانب اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ ''ہیئت اور مافیہہ تبدیل'' ہو جاتا ہے۔دوسرے الفاظ میں یہاں محنت کا اظہار کسی پیداواری شے کی قدر کی مادی خصلت کے طور پر یا objectification کے طور پر نہیں ہوتا۔یعنی محنت کا اظہار قدر یا قدر کی ہیئت میں نہیں ہوتا۔ایسا کیوں ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ سماج میں ذرائع پیداوار سماجی ملکیت بن جاتے ہیں اور اجتماعی محنت کا سماج وجود میں آ چکتا ہے۔اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''سرمایہ'' میں مارکس نے لکھا تھا کہ ''متحرک انسانی قوت محنت یا انسانی محنت قدر پیدا کرتی ہے،لیکن یہ خود قدر نہیں ہوتی۔یہ صرف کسی منجمد شکل میں قدر بنتی ہے،جب کسی چیز میں مجسم ہو جائے''۔ایسا سماج جس میں ذرائع پیداوار اجتماعی ملکیت

میں ہوں محنت کا کردار تبدیل ہو جاتا ہے۔ اینگلز اینٹی ڈوہرنگ میں لکھتا ہے:

’’جس لمحے سماج ذرائع پیداوار کی ملکیت کے مرحلے میں داخل ہو جاتا ہے اور انہیں براہ راست پیداوار کے لیے استعمال کرتا ہے، ہر فرد کی محنت، خواہ اس کا فائدہ مند استعمال کتنا ہی مختلف النوع نہ ہو، آغاز سے ہی براہ راست سماجی محنت بن جاتی ہے۔ کسی پیداواری شے میں سماجی محنت کی مقدار کو پھر سرمایہ داری کی طرح گھما پھرا کر متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ روزمرہ کا تجربہ بتا دیتا ہے کہ اوسطاً کتنی مقدار کی ضرورت ہے۔ سماج آسانی سے حساب لگا سکتا ہے کہ ایک اسٹیم انجن میں، گزشتہ کٹائی کے دوران گندم کی ایک بوری میں، ایک مخصوص معیار کے سو گز کے کپڑے میں کتنے گھنٹے کی محنت شامل ہے۔ اس لیے اس سماج کو کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوگی کہ پیداواری اشیا میں محنت کی مقدار کو کسی تیسری پیداواری شے میں ظاہر کرے، کیونکہ وہ ان مقداروں کو براہِ راست ان کی مطلق تعداد میں جانتا ہوگا۔ ایسے میں تیسری پیداواری شے صرف نسبتی، متغیر اور ناکافی ہے، گو کہ پہلے کوئی بہتر شے نہ ہونے کے باعث یہ ناگزیر تھی۔ اس لیے اب اشیا میں محنت کی مقدار کا اظہار فطری، کافی اور مطلق پیمانے وقت سے ہوگا‘‘۔

مارکس نے کہا تھا کہ ’’ایک انتہائی سادہ اور قابل سمجھ‘‘ دنیا وہ ہوتی ہے جہاں وقتِ محن ’’ہر فرد کی مشترکہ محنت میں، اور انفرادی کھپت کے لیے بننے والی کل پیداوار میں حصے کا پیمانہ ہوتا ہے‘‘۔ (سرمایہ)

یہ نیا سماج جو محنت کی برابر مقدار کی تقسیم کے اصول پر قائم ہوتا ہے وہ وقتِ محن کو اشیائے ضرورت حسبِ تناسب سے ہر فرد تک تقسیم کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ یہ حسب تناسب بالواسطہ بھی ہو سکتا ہے اور بلاواسطہ بھی۔

اینگلز کے مطابق محنت کی سند کو کسی اور ٹوکن سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ ہر فرد کے لیے بنیادی اشیائے ضرورت میں متفرق مقدار ہو سکتی ہے اس لیے انتخاب کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ہر شخص کے وقتِ محن کا حساب رکھا جائے گا۔ اس طرح سماج میں برابر وقت محن کے تبادلے کے لیے وقت، حالات اور سماجی معیار کے مطابق مخصوص طریقے متعین ہوتے ہیں۔

ٹراٹسکی لکھتا ہے، ''ذرائع پیداوار اور مالیاتی سرمائے کو قومیانے، داخلی تجارت کو ریاستی کنٹرول میں لینے، بیرونی تجارت پر اجارہ داری رکھنے، اجتماعی زراعت کے آنے اور وراثت کے قانون کے خاتمے سے ذاتی دولت کے اجتماع اور اس کی نجی سرمائے (سودی، کمرشل، صنعتی) میں منتقلی پر حدود عائد ہو جاتی ہیں۔ روپے کے یہ افعال، گو یہ استحصال کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں، پرولتاری انقلاب کے آغاز پر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ایک جدید شکل میں ریاست کو منتقل ہو جاتے ہیں۔ ریاست آفاقی تاجر، قرضہ دینے والی اور صنعتکار بن جاتی ہے۔ اسی وقت میں روپے کے زیادہ ابتدائی افعال جس میں قدر کے پیمانے، تبادلے کا ذریعہ اور ادائیگی کا طریقہ شامل ہیں نہ صرف محفوظ رہتے ہیں بلکہ سرمایہ داری کی نسبت زیادہ وسیع شکل اختیار کر لیتے ہیں''۔

اسی طرح سوشلسٹ سماج میں قدر زائد بھی پیدا ہوتی ہے۔ ریاست کی جانب سے اس کا ایک حصہ علاج، تعلیم اور فلاح و بہبود وغیرہ میں خرچ کیا جائے گا تو دوسرا حصہ صنعت، زراعت، سائنس و ٹیکنالوجی، تحقیق اور دفاع میں خرچ کیا جائے گا جبکہ سرمایہ داری میں یہ سرمایہ داروں کے منافع کا باعث بنتی ہے۔ سوشلسٹ سماج میں یہ قدر زائد کسی قسم کے استحصال کا نتیجہ نہیں بلکہ ہر شخص کے وقت محنت کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ جو وہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے صرف کرتا ہے اور دوسرا وہ حصہ جو وہ سماج کی ضروریات کی تکمیل کے لیے کرتا ہے۔

ٹریڈ یونین

سرمایہ دارانہ نظام میں ٹریڈ یونین ایک بورژوا ادارہ ہے جس کا مقصد سرمایہ دار کے مقابلے میں محنت کشوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ اس نظام میں ٹریڈ یونین کا مقصد سرمایہ داری کو ختم کرنا نہیں ہوتا بلکہ اسی نظام میں رہتے ہوئے مختلف معاہدوں اور سودا کاری کے ذریعے محنت کشوں کے لیے کام کے بہتر حالات اور معیار زندگی کو سنوارنا ہوتا ہے۔ عمومی ادوار میں ٹریڈ یونینیں انتہائی چھوٹے مفادات کے لیے بڑے مفادات کو اکثر قربان کر دیتی ہیں اور ان پر پیٹی بورژوا تنگ نظری حاوی ہوتی ہیں۔

مزدور ریاست میں ٹریڈ یونین کا کردار یکسر تبدیل ہو جاتا ہے کیونکہ سرمایہ دار طبقے کی حکمرانی کا خاتمہ ہوتا ہے اور از خود مزدور طبقے کی حکمرانی ہوتی ہے۔ یہاں ٹریڈ یونین اپنا آزادانہ کردار ادا کرتی ہے تا کہ محنت کش طبقہ ریاست کے خلاف اپنا دفاع کر سکے یعنی خود مزدور ریاست کا تحفظ کر سکے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے تا کہ مزدور ریاست پرولتاری طبقے سے بالا نہ ہو جائے اور اپنے آپ کو طبقے سے علیحدہ نہ کر لے۔ مزدور خود اپنی تنظیموں کے ذریعے ریاستی ڈھانچے پر نظر رکھ سکیں اور اس میں کسی قسم کی بدعنوانی اور بدانتظامی کی جانچ پڑتال کر سکیں۔

ان ٹریڈ یونینوں کو ریاست اور پارٹی سے علیحدہ آزادانہ طور پر قائم کیا جائے گا۔ مزدور ریاست میں ٹریڈ یونین کی سرگرمی کا مقصد اس ریاست کو مضبوط بنانا ہوگا۔ اگر محنت کشوں کے کسی دو شعبوں میں یا مختلف محنت کشوں کے مابین کوئی تنازعہ ابھرتا ہے تو ٹریڈ یونین کی ذمہ داری ہوگی کہ اس تنازعے کو جلد از جلد انتہائی مہارت کے ساتھ حل کرے جس میں ان محنت کشوں کا مفاد حاوی ہو جن کی وہ یونین نمائندگی کرتی ہے لیکن اس میں محنت کشوں کے دوسرے گروہ یا مزدور ریاست کے مفادات کے خلاف کسی قسم کا کوئی تعصب موجود نہ ہو۔ صرف اسی طرز پر ہی محنت کش طبقے کی مادی اور ثقافتی فلاح و بہبود ممکن ہے۔ اس ریاست میں ٹریڈ یونینوں کا امتحان ہوگا کہ وہ انتہائی درستگی اور کامیابی سے ریاستی اداروں میں بڑے پیمانے کے تنازعے نہ ابھرنے دیں اور دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے محنت کش عوام کے مفادات کا تحفظ کریں اور تنازعوں کی وجوہات کو ابھرنے سے پہلے ہی ختم کر دیں۔

ٹریڈ یونین مزدور ریاست میں سماجی اور معاشی پہلوؤں میں بھی اہم کردار ادا کرے گی۔ ان کی ممبرشپ رضا کارانہ بنیادوں پر حاصل کی جا سکے گی اور جس کے لیے کسی مخصوص سیاسی وابستگی کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ٹریڈ یونین کے عہدیداروں کو ممبران منتخب کرتے ہیں اور انہی کو جوابدہ بھی ہوتے ہیں۔ سوشلسٹ ریاست میں مختلف شعبوں اور صنعتوں کی ٹریڈ یونینوں پر مشتمل سنٹرل کونسل آف ٹریڈ یونین بنائی جائے گی۔ کسی بھی ادارے میں نئے مزدوروں کی بھرتی کا فیصلہ بھی وہاں موجود ٹریڈ یونین کے ذریعے ہوگا۔

ٹریڈ یونین کا مقصد محنت کش طبقے کو متحد کرنا ہوگا تا کہ مزدوروں کے مفادات کے مسلسل دفاع اور فوقیت کو جاری رکھنے میں مزدور ریاست کی مدد کی جا سکے۔ مزدور ریاست محنت کشوں کو یونینوں میں منظّم ہونے کے لیے مادی اور قانونی طور پر حوصلہ افزائی کرے گی لیکن ٹریڈ یونینیں فرائض کی ادائیگی کے بغیر حقوق نہیں رکھ سکتیں۔

سرمایہ داری سے سوشلزم کے عبوری دور میں ریاست پرولتاریہ کی طبقاتی بنیادوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک ایسا ملک جہاں چھوٹے کسان اور مزارع بھی بڑی تعداد میں موجود ہوں وہاں پرولتاریہ اس کام کو کامیابی سے اسی وقت کر سکتا ہے جب وہ انتہائی مہارت سے بتدریج مزارعوں اور کسانوں کے ساتھ ایک ٹھوس یکجہتی بنائے۔ ٹریڈ یونینوں کو ریاست کے ساتھ انتہائی قریب سے مسلسل ناطہ اور جڑت رکھنی ہوگی، اس حکومت کی تمام معاشی اور سیاسی سرگرمی کی راہنمائی محنت کش طبقے کا ہراول دستہ کمیونسٹ پارٹی کرے گی۔ ٹریڈ یونین کو عمومی طور پر کمیونزم کے سکول کا کردار ادا کرنا ہوگا خاص طور پر محنت کش عوام کی اکثریت کے لیے سوشلسٹ صنعت (اور بتدریج زراعت) کے انتظام کی تربیت کا سکول بننا پڑے گا۔

ٹریڈ یونین کو معیشت سے وابستہ تمام ریاستی اور انتظامی اداروں میں اپنے نمائندے بھیجنے پڑیں گے جن کی ذمہ داری کی مدت اور تجربہ وغیرہ سے آگاہ کرنا ہوگا۔

ٹریڈ یونینوں کو فیکٹریوں میں انتظامی امور میں ذمہ داریاں سرانجام دینے والے محنت کشوں کی تربیت کرنی ہوگی اور وسیع پیمانے پر ایسے نئے تربیت یافتہ افراد تیار کرنے ہوں گے۔ انہیں ایسے تمام کسانوں اور مزدوروں کی فہرست تیار کرنی ہوگی جو اس تربیت کی اہلیت رکھتے ہیں اور پھر ان کی تربیت کے تمام پہلوؤں کی نگرانی کرتے ہوئے انہیں انتظامی امور کا فن سکھانا ہوگا۔

ٹریڈ یونینوں کو پرولتاری ریاست کی منصوبہ بندی کرنے والے اداروں کی سرگرمیوں کا حصہ بننا پڑے گا جس میں معاشی منصوبہ بندی کے دوران، پیداوار کے پروگرام، محنت کشوں کے لیے خام مال کی رسد، فیکٹریوں کو ریاست کی جانب سے رسد کی لیز پر فراہمی اور شعبوں کی ترجیحات کے تعین وغیرہ شامل ہیں۔

ٹریڈ یونین کو ثقافتی اور تعلیمی سرگرمیوں میں بھرپور شرکت کرنی ہوگی اور محنت کشوں کے معاشی امور کو سمجھنے کے لیے ان کی تربیت کے عمل کو تیز تر کرنا ہوگا۔ تعلیم و تربیت کے پروگراموں میں مزدور کلب کی تشکیل، لائبریری، تیکنیکی آگاہی کے پروگرام، سکول کا قیام، سٹڈی سرکل، دستاویزی فلمیں، اخبارات اور دوسرے لٹریچر کی اشاعت بھی شامل ہیں۔

اجرتوں اور رسد کے میزان کو وضع کرنا ٹریڈ یونین کی اہم ذمہ داری ہوگی۔ اسی طرح پرولتاری کورٹس میں ٹریڈ یونینوں کا اہم کردار ہوگا تاکہ مزدوروں کا نظم وضبط بہتر کیا جاسکے اور پیداواریت میں اضافہ ہو۔

ٹریڈ یونین سرگرمی کا اہم پہلو عوام سے رابطہ بڑھانا ہے تاکہ ان اداروں میں موجود لوگ عوام کے حقیقی جذبات، ضرورتوں اور خیالات کو جان سکیں۔ کمیونسٹ پارٹی کے ڈھانچے اور اس کی عددی مقدار کی کمی کو مدد دینے میں ٹریڈ یونین کا ادارہ اہم کردار ادا کرے گا۔

ان تمام ذمہ داریوں سے یہ ظاہر ہے کہ ٹریڈ یونین کی سرگرمی میں بہت سے تضادات ابھرتے ہیں۔ ایک جانب ان کا کام کا طریقہ کار ترغیب اور تعلیم کا ہے تو دوسری جانب ریاستی طاقت کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہیں دباؤ بھی ڈالنا پڑے گا۔ ایک جانب ان کا مقصد محنت کش عوام کے مفادات کا براہ راست تحفظ ہے تو دوسری جانب معیشت کی تعمیر کے لیے انہیں دباؤ بھی ڈالنا پڑے گا۔ ایک طرف انہیں فوجی ڈسپلن کے ساتھ کام کرنا ہوگا تو دوسری طرف فوجی طریقہ کار ٹریڈ یونینوں پر لاگو نہیں ہوسکتا۔ ایک جانب انہیں عوام کے ساتھ ان کی سطح پر جا کے جڑنا ہے تو دوسری جانب وہ عوام کی پسماندگی اور تعصّبات میں دھنس نہیں سکتے اور انہیں اپنا معیار مسلسل بلند کرنا ہے۔ یہ تضادات کوئی حادثہ نہیں بلکہ سماج کی متضاد کیفیت کا نتیجہ ہیں۔ پرانے سماج کی باقیات اس وقت تک رہیں گی جب تک سوشلزم کی نئی کرنیں سماج کے ہر ایک کونے، پرت اور پہلو کو روشن نہیں کر دیتیں۔

ان تمام ذمہ داریوں کے لیے انتہائی مہارت کی ضرورت ہے تاکہ عوام کی اکثریت کو بلند تر ثقافتی، معاشی اور سماجی مرحلے پر بغیر کسی مزاحمت کے لے جایا جاسکے۔ اسی طرح ان تضادات کے

نتیجے میں تنازعے، عدم اتفاق اور مزاحمت جنم لے گی جس کے لیے ایک بالا ادارے کی ضرورت ہو گی جو انہیں ہمیشہ کے لیے حل کرے۔ یہ بالا ادارہ کمیونسٹ پارٹی اور انٹرنیشنل ہو گی۔

ٹریڈ یونین کا کردار اسی وقت فعال ہو گا جب وہ ایسے محنت کشوں کو منظم کریں گی جو کمیونسٹ پارٹی کے ممبر نہیں۔ اسی طرح انہیں پیٹی بورژوا رجحانات کا مقابلہ کرنا ہو گا اور ان کا جڑ سے قلع قمع کرنا ہو گا۔

زراعت

پرولتاریہ یقینی طور پر ایک انقلابی طبقہ ہے لیکن یہ اسی وقت انقلابی کردار ادا کر سکتا ہے جب یہ تمام محنت کشوں اور استحصال زدہ عوام کا ہراول بنے اور ان کو استحصال کرنے والے طبقے کی جکڑ سے آزاد کرائے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک طبقاتی جنگ کو دیہاتوں تک نہ لے جایا جائے اور جب تک دیہی محنت کش عوام کی کمیونسٹ پارٹی کو حمایت حاصل نہ ہو۔

دیہاتوں کے استحصال زدہ طبقے میں سب سے پہلے تو وہ زرعی پرولتاریہ اور اجرتی مزدور (سالانہ، روزانہ یا موسمی) ہیں جو سرمایہ دارانہ زرعی کاروبار میں کام کرتے ہیں۔ دوسرے وہ نیم پرولتاریہ ہیں جو زمین کے چھوٹے رقبے پر کاشتکاری کرتے ہیں یعنی ان کی آمدن کا ایک حصہ زرعی اور سرمایہ دارانہ کاروبار میں اجرتی مزدور کے طور پر کام کر کے حاصل ہوتا ہے اور دوسرا حصہ پٹے پر حاصل کی گئی زمین پر کاشتکاری سے۔ اس پرت کی تعداد سماج میں بڑے پیمانے پر موجود ہے اور انقلاب سے نہ صرف ان کو بہت زیادہ حاصلات ملیں گی بلکہ ان کا معیار زندگی بھی تیزی سے بلند ہو گا۔

اس کے بعد چھوٹے کسان ہیں جو چھوٹے رقبے پر کاشتکاری کرتے ہیں جس کے وہ مالک ہوتے ہیں یا پٹے پر حاصل کی ہوتی ہے اور کسی دوسرے کو مزدوری پر نہیں رکھتے۔ یہ پرت بھی انقلاب سے بہت زیادہ حاصلات لے گی اور فوری طور پر اسے جو فوائد ملیں گے ان میں

1) اسے بڑے زمیندار کو کرایہ یا فصل کا حصہ نہیں دینا پڑے گا،

2)رہن یا گروی کی اذیت سے نجات ملے گی،

3)بڑے زمیندار پر انحصار کرنے کے نتیجے میں مختلف قسم کے جبر سے نجات ملے گی،

4)پرولتاری ریاست کی جانب سے زمین کی کاشت کے لیے امداد ملے گی جس میں زرعی مشینری، ادویات اور دیگر سہولیات شامل ہیں۔

اس کے علاوہ بڑے زرعی فارموں اور جاگیروں میں سے حصہ ملے گا جنہیں پرولتاری ریاست اپنے قبضے میں لے کر فوری طور پر ان کے حوالے کرے گی۔ تمام ادارے زرعی پرولتاریہ، نیم پرولتاریہ اور چھوٹے کسان کے مفاد کے لیے استوار کئے جائیں گے۔

ان تینوں پرتوں کی تعداد مشترکہ طور پر دیہاتی آبادی کی اکثریت بنتی ہے۔ اسی لیے پرولتاری انقلاب شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی کامیاب ہوگا۔ دیہاتی آبادی کی یہ اکثریت خواہ کتنی ہی کچلی ہوئی اور منقسم ہے اور انتہائی پسماندگی میں زندگی گزار رہی ہے لیکن ان میں بھی معاشی، سماجی اور ثقافتی پیمانے پر حالاتِ زندگی کی تبدیلی کی خواہش موجود ہے۔ جب انقلاب بڑے سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کا خاتمہ کر دے گا اور سیاسی اقتدار حاصل کر لے گا اور جب یہ استحصال زدہ لوگ دیکھیں گے کہ عملی طور پر ان کی منظّم قیادت موجود ہے تو وہ انقلاب کی بھرپور حمایت کریں گے۔

معاشی حوالے سے درمیانے کسان وہ لوگ ہیں جو خواہ زمین کے مالک ہوں یا پٹے دار ایسا رقبہ رکھتے ہوں جو چاہے چھوٹا ہو لیکن سرمایہ داری نظام میں نہ صرف ان کی اور ان کے خاندان کی ضروریات کے لیے کافی ہو اور زمین کی دیکھ بھال کے اخراجات بھی نکلتے ہوں بلکہ کچھ زائد پیداوار بھی دیتا ہو، کم از کم اچھے سالوں میں، جسے سرمائے میں تبدیل کیا جا سکتا ہو۔ یا پھر وہ جو (مثال کے طور پر دو یا تین رقبوں میں سے ایک پر) اکثر مزدوری کے لیے لوگ رکھتے ہوں۔

یہ پرت فوری طور پر انقلاب کی حمایت میں نہیں آئے گی لیکن اگر یہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی حمایت نہیں کرتے تو انہیں رعایت دی جا سکتی ہے۔ پٹے داری اور رہن یا گروی کے خاتمے سے اس پرت کو بہت سہولت ملے گی۔

انقلاب کے فوری بعد نجی ملکیت مکمل طور پر ختم نہیں کی جائے گی بلکہ چھوٹے اور درمیانے کسان کو نہ صرف ان کی زمین اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہوگی بلکہ اس میں اضافے کی بھی اجازت ہوگی تاکہ وہ اس رقبے کو بھی اپنی زمین میں شامل کر لیں جس کا پہلے وہ کرایہ ادا کرتے تھے۔

بڑے کسان (زمیندار) زراعت میں مالکان ہیں جو بہت سے لوگوں کو مزدوری پر رکھتے ہیں۔ جو کسانوں سے صرف اس حد تک تعلق میں ہیں جہاں تک پسماندہ ثقافت، زندگی کی عادتوں کا تعلق ہے اور جب وہ اپنی زمینوں پر ہاتھ سے کام کرتے ہیں۔ یہ سماج کا وہ حصہ ہے جو انقلابی پرولتاریہ کے دشمن ہیں۔ سوشلسٹ انقلاب دیہاتوں میں آبادی کی اکثریت کو ان کی جکڑ سے آزاد کرے گا۔

انقلاب کے بعد ردانقلابی قوتوں کے حملے کے پیش نظر سماج کے اس حصے کو فوری طور پر غیر مسلح کیا جائے گا اور کسی قسم کے حملے کا شائبہ ہونے پر بھی ان کو پوری قوت سے کچلنا ہوگا۔ اس کے لیے زرعی پرولتاریہ کو مسلح کیا جائے گا اور دیہاتی سوویتوں کو منظّم کیا جائے گا جن میں استحصال کرنے والوں کی کوئی جگہ نہیں ہوگی اور پرولتاری اور نیم پرولتاری طبقے حاوی ہوں گے۔

انقلابی سوشلسٹ ریاست فوری طور پر بڑے زمینداروں کی زمین پر قبضہ کرے گی جو براہ راست یا پھر اپنے مزارعوں کے ذریعے اجرتی مزدور اور قرب و جوار میں موجود چھوٹے اور درمیانے کسان کا استحصال کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے کسی قسم کا کام نہیں کرتے، جاگیرداروں کی نسل میں سے ہیں، امیر زادے ہیں یا پھر ان استحصال کرنے والوں اور طفیلیوں کا مرکب ہیں۔

ان بڑے زمینداروں کی زمینوں کو ان کاشتکاروں میں تقسیم کیا جائے گا جو کاشتکاری کے مقصد کے لیے زمین لینے کے خواہش مند ہوں گے یا پھر ریاستی زرعی فارم کے طور پر استعمال کیا جائے گا جو پرولتاری ریاست اپنے خرچے پر چلائے گی جس سے سابقہ اجرتی مزدور ریاست کے لیے کام کرنا شروع کر دیں گے اور سوویت کے ممبر بنیں گے جو ریاست کو چلاتی ہیں۔ بڑے زرعی فارموں کو اسی حالت میں رکھتے ہوئے ریاست کی ملکیت میں دے دیا جائے گا۔ بڑے زرعی فارموں کی ضروریات پوری ہونے کے بعد ان میں موجود دیگر سہولیات اور مشینری چھوٹے اور

درمیانے کسان کو دی جاسکتی ہے۔

سوشلسٹ ریاست کا حتمی مقصد زراعت کو صنعت میں تبدیل کرنا اور اس کے لیے مشینی زراعت کی جدید ترین تیکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑے پیمانے پر زرعی یونٹ قائم کرنا ہے۔ یہ سب سماج کی ملکیت ہوگا اور اس کا انتظام و انصرام ایسے اجتماعی فارموں پر کام کرنے والے زرعی مزدوروں کی منتخب سوویتیں کریں گی۔ زائد پیداوار کا حصہ جدید ترین ٹیکنالوجی کے حصول پر خرچ کیا جائے گا۔لیکن اس کا بڑا حصہ اجتماعی ملکیت کی حامل زمینوں کے لیے وقف کر دیا جائے گا۔

تمام زمین انقلابی ریاست کی ملکیت ہوگی۔کوئی بھی زمین بغیر کاشت کے نہیں رکھ سکے گا اور نہ ہی اسے بیچ سکے گا۔حکومت کی جانب سے تقسیم کردہ زمین کی پیداوار پر ایک زرعی ٹیکس کا نفاذ کیا جائے گا لیکن فصل میں نقصان کی صورت میں اس میں کمی یا ختم کیا جا سکے گا۔جدید مشینری اور سائنسی طریقہ کار کے استعمال کی حوصلہ افزائی کی جائے گی تاکہ زمین کی پیداوار میں اضافہ ہو۔اس کے علاوہ اجتماعی کاشتکاری کی بڑے پیمانے پر حوصلہ افزائی کی جائے گی۔ زراعت کی بھاری اکثریت بڑے مشترکہ (Collective) فارموں پر مشتمل ہوگی۔

زرعی پیداوار کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ اناج کی خریداری اور تقسیم کے عمل کو بھی یکجا کیا جائے گا جس کے لیے ریاست کے ادارے کے طور پر اناج مراکز بنائے جائیں گے اور خرید و فروخت کے عمل میں مقابلہ بازی کا خاتمہ کیا جائے گا۔ان مراکز میں بنیادی ضروری اجناس کے علاوہ دودھ، مکھن، انڈے، گوشت اور دیگر اشیا کی سہولت بھی موجود ہوں گی۔

اس کے علاوہ کسانوں کی سہولت کے لیے زرعی مشینری، ادویات، بیج، کھاد اور دیگر ضروریات کے لیے بھی ریاست سہولت فراہم کرے گی۔ان اقدامات سے زیر کاشت رقبے میں اضافہ ہوگا۔آڑھتی، مڈل مین، رہن اور سود کا کاروبار کرنے والوں، دوا ساز کمپنیوں، کھاد اور دیگر ضروریات کی بلیک میلنگ کرنے والوں اور ذخیرہ اندوزوں کا خاتمہ ہوگا۔تمام زرعی قرضے منسوخ کر دیے جائیں گے۔سود خوروں کا تمام سرمایہ ضبط کر لیا جائے گا۔سود خوری کو ایک گھناؤنا جرم قرار

دیا جائے گا اور دیہی عوامی ٹربیونل سود خوروں کو سخت سزائیں دے سکیں گے۔تمام بینک زرعی مشینری، ٹیکنیک اور انفراسٹرکچر میں براہِ راست بلاسود و منافع سرمایہ کاری کریں گے۔

اس کے علاوہ پانی کی دستیابی کی بہتری کے لیے بھی اقدامات کیے جائیں گے اور نہری نظام کو جدید بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔زرعی انفراسٹرکچر کو انقلابی بنیادوں پر عوامی شراکت کے ذریعے تیزی سے تعمیر کیا جائے گا۔زرعی تحقیق کو نئی بلندیوں پر لے جایا جائے گا۔جانوروں کی دیکھ بھال، زمین اور طریقہ کار میں بہتری، بلاسود مالیاتی امداد، مویشیوں کے علاج، فصلوں پر لگنے والے کیڑوں کی روک تھام، جنگلات کی دیکھ بھال اور دیگر امور میں بھی سوویت ریاست کسانوں کے لیے اقدامات کرے گی۔

دیہی علاقوں اور زرعی شعبے میں کلاسیکی جاگیرداری نظام، پیداواری رشتے، تعلقات، بارٹر اور دوسرے معیار ٹوٹ پھوٹ چکے ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام اور مالیاتی سرمائے نے زراعت میں بہت گہری مداخلت کی ہے۔لیکن اس مداخلت سے وہ زرعی انقلاب، پیداواری رشتے اور دیہی و شہری فرق ختم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔اس سے ایک بے ہنگم، ناہموار، پیچیدہ اور اذیت ناک کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔جس سے نہ تو جاگیرداری کا خاتمہ ہوسکا ہے اور نہ ہی زراعت جدید صنعت کا درجہ اختیار کرسکی ہے۔اس نیم ادھورے اور متضاد طرزِ ارتقا کو ایک مکمل زرعی انقلاب سے ہمکنار کرنے کا فریضہ بھی سوشلسٹ انقلاب پر آن پڑا ہے۔لیکن سرمایہ دارانہ رشتوں کے دیہی زندگی میں دخول سے جہاں ان علاقوں کا شعور ناہمواری کا شکار ہوا ہے اور پسماندگی بھی موجود ہے وہاں جدت کے پہلو بھی سیاسی سوچ اور شعور میں بہت واضح انداز میں ابھرے ہیں۔اس لئے یہاں کی سوچ کلاسیکی کسان سوچ نہیں ہے بلکہ پرولتاریہ سے زیادہ قریب ہوگئی ہے جو سوشلسٹ انقلاب کو برپا کرنے میں موافق کردار ادا کرے گی۔

انقلاب کے بعد زراعت سے وابستہ آبادی کی اکثریت کے حالات اور معیارِ زندگی یکسر تبدیل ہوکر بلند ہوجائے گا۔جاگیرداروں، وڈیروں، خانوں اور سرداروں کے ظلم سے نجات ملے گی اور لوگ سکھ کا سانس لیں گے۔

انفراسٹرکچر

صحت وعلاج

تمام لوگوں کی صحت اور مفت علاج کی مکمل ذمہ داری سوشلسٹ ریاست کی ہوگی۔ ہر شخص کی صحت کی حفاظت اور بیماری کی صورت میں علاج کے لیے ایک جامع نظام تشکیل دیا جائے گا اور ہر شخص خواہ کوئی بھی ہو اسی نظام کے تحت علاج کروائے گا۔ کسی بھی قسم کے علاج یا دوائی کی قیمت وصول کرنا سنگین جرم قرار دیا جائے گا۔

کسی بھی معاشرے میں حفظانِ صحت کی صورتحال کا تعلق وہاں کی عائلی زندگی، رہائشی حالات اور وہاں کے صنعتی اور زرعی کام سے ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں تعلیم و تربیت کی صورتحال کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جہالت صحت کی دشمن ہے۔ اسی طرح ریاست کے عمومی انتظامی اور سیاسی ڈھانچے سے بھی اس سماج میں موجود صحت کی سہولیات کی فراہمی کا گہرا تعلق ہے۔

انقلاب کے بعد حفظانِ صحت اور باقاعدہ علاج معالجے میں تفریق کو ختم کر دیا جائے گا۔ ہر ڈاکٹر اپنے مریض کی صحت کو صرف مرض کی صورت میں نہیں دیکھے گا بلکہ سماج کے ایک فرد کی حیثیت سے جس کی کام کرنے کی صلاحیت میں اضافہ ہونا چاہیے۔

صحت کے نظام کی مکمل ذمہ داری صحت کے کیمساریٹ کی ہوگی۔ جو صحت کے متعلق انسدادی کاروائی، علاج معالجے، فارمیسی، میڈیکل کی تربیت وغیرہ کا مکمل ذمہ دار ہوگا۔ اس کیمساریٹ کے تحت علاقائی اور ضلعی سطح کے کیمساریٹ ہوں گے۔ شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں خصوصی کیمساریٹ بھی بنائے جائیں گے۔ ان کیمساریٹ میں کام کرنے والے افراد میں جہاں مرکزی ایگزیکٹو کمیٹی اہلکاروں کی تقرری کرے گی وہاں مقامی سوویتیں بھی اپنے نمائندے بھیجیں گی۔ صحت کے اداروں کی ذمہ داری نبھانے یا علاج معالجے کے لیے افراد کو جمہوری طریقے سے مقرر کیا جائے

گا۔صحیح کارکردگی نہ دکھانے والے کی جگہ دوسرے کو متعین کر دیا جائے گا۔

صحت کے کیساریٹ کے اہم شعبوں میں

1)علاج

2)ہسپتالوں، ڈسپنسریوں وغیرہ میں میڈیکل کا کام سوویتوں کے اداروں کی تمام سطحوں پر پرکھا، جانچا اور منظم کیا جائے گا۔

3)ماں اور بچے کی حفاظت۔اس شعبے کے تحت کنڈرگارٹن، نرسریاں، ماؤں کی تربیت، نرسوں کی تربیت کہ وہ نرسریوں میں کام کرسکیں

4)صنعتوں میں حفظانِ صحت اور فیکٹری ڈاکٹر محنت کشوں کی صحت کو یقینی بنائیں گے اور فیکٹریوں کی سوویتوں کا حصہ ہوں گے۔

5)بچوں کی صحت کی بہتری، سکولوں میں حفظانِ صحت کے لئے خصوصی یونٹ تشکیل دیے جائیں گے۔

6)زندگی کی صحت سے وابستہ ضروری اقدامات جن میں (i)غذائیت اور بچوں کا دودھ (ii)رہائش (iii)صاف پانی اور نکاسی آب (iv)وباؤں اور انفیکشن سے بچاؤ (v)سینی ٹیشن کی تیز تعمیر شروع کی جائے گی۔

7)سائنسی تحقیق

8)حفظانِ صحت کے متعلق تعلیم۔اس کے تحت رضا کاروں کو کورس کروائے جائیں گے۔ اوران سے سماجی کام میں مدد لی جائے گی۔

9)منصوبہ بندی کا شعبہ جس میں مالیات اور شماریات کے زیریں شعبے ہوں گے۔ جو ریاست کی صحت کے شعبے میں وسائل کی فراہمی کو یقینی بنائیں گے۔

10) سپلائی کا شعبہ۔ جو ڈاکٹروں اور زیرِ تربیت طلبا کو کھانے کی فراہمی سے لے کر ہسپتالوں اور دوسرے اداروں کی دیکھ بھال کا کام بھی کرے گا۔

11) ہسپتالوں، ڈسپنسریوں وغیرہ کی عمارتوں کی منصوبہ بندی کا شعبہ قائم کیا جائے گا۔

صحت کے بجٹ کے لیے رقم کے ذرائع میں ایک تو مقامی ہسپتالوں اور اداروں کے لیے مرکزی اور علاقائی بجٹوں میں سے ترجیحی بنیادوں پر مختص کیا جائے گا اور دوسرا مرکز کی جانب سے مختص فنڈ جو میڈیکل اور نان میڈیکل سٹاف کے لیے ہوگا، کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے گا۔

میڈیکل کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جائے گی جو مکمل طور پر مفت ہوگی اور ہر علاقے میں میڈیکل کالج اور یونیورسٹیاں قائم کی جائیں گی۔ ہسپتال میں کام کرنے پر بھی طلبا کو حکومت کی جانب سے معاوضہ دیا جائے گا۔ تعلیم حاصل کرنے کے فوراً بعد ڈاکٹروں کو ذمہ داریاں دی جائیں گی۔ اس کے علاوہ نرسوں اور پیرا میڈیکل سٹاف کی تعلیم و تربیت اور اس کے لیے مختلف ضروریات کی فراہمی انہی خطوط پر کی جائے گی۔

ہر ڈاکٹر ایک دن میں چھ گھنٹے ڈیوٹی کرے گا جبکہ اس ہفتے میں دو چھٹیاں دی جائیں گی۔ تمام تنخواہیں حکومت کی جانب سے دی جائیں گی۔ ہر علاقے میں ہسپتالوں کے ساتھ وسیع رقبے پر لیبارٹریاں بھی ریاستی سطح پر قائم کی جائیں گی جہاں ہر قسم کے ٹیسٹ مفت ہوں۔ سر درد کے علاج سے لے کر کینسر کے علاج تک دوائیاں بھی مکمل طور پر مفت فراہم کی جائیں گی۔

انقلاب کے بعد ہر فیکٹری میں صحت کی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔ فیکٹری کی ہر شاپ میں ایک ڈاکٹر موجود ہوگا۔ یہ ڈاکٹر معمولی بیماریوں کا علاج کرے گا۔ سنگین بیماری کی صورت میں وہ متعلقہ ہسپتال میں مریض کو بھجوائے گا۔

ہر موجود اور دریافت شدہ حفاظتی ویکسین لگائی جائے گی۔ ہر تین ماہ بعد ڈاکٹروں کا ایک کمیشن ہر فرد کا مکمل معائنہ کرے گا۔ اس دوران علاقے کے ہسپتال میں مکمل علاج کی سہولت موجود ہوگی۔ شاپ میں موجود ڈاکٹر ایمرجنسی کی صورت میں فرسٹ ایڈ فراہم کرے گا، عمومی نگرانی کرے گا اور ڈسپنسری میں علاج کرنے والے ڈاکٹر سے باقاعدگی سے ریکارڈ طلب کرے گا۔ اکثر بیمار رہنے والوں پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ اگر کوئی مزدور شکایت کرے کہ ڈاکٹر صحت کی سند دینے میں سختی کر رہا ہے تو اسے میڈیکل کنٹرول کمیشن کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کا چیئر مین ایک مزدور ہوگا اور اس میں دو یا تین ڈاکٹر صحت کے کیساریٹ کی طرف سے مقرر کیے جائیں

گے۔فیکٹری میں زیرِعلاج مزدوروں کے لیےخصوصی پرہیزی کھانے کا انتظام بھی کیا جائے گا۔

فیکٹریوں کو بتدریج صحت اور علاج کے محور کے طور پر منظّم کیا جائے گا۔کام کے ساتھ ساتھ آرام اور ثقافتی معیار کی بلندی کی بھی منظّم انداز میں ترویج کی جائے گی۔فیکٹری میں موجود ڈسپنسری صرف مریض کے علاج کا ہی کام نہیں کرے گی بلکہ عمومی حفظانِ صحت کے لیے بھی سرگرم رہے گی۔صحت کے نظام کا حتمی مقصد صرف یہ نہیں کہ بیماریوں سے حفاظت اور ان کا علاج کیا جائے بلکہ ذہنی جسمانی قوت میں اضافہ کیا جائے۔فیکٹریوں میں کام کی طرح آرام کو بھی منظّم کیا جائے گا۔اسی طرح فیکٹریوں میں تفریح کی سہولیات بھی مہیا کی جائیں گی۔اسی طرز پر دیہاتی اور غیر صنعتی شہری وقصباتی علاقوں میں بھی خصوصی سہولیات قائم کی جائیں گی۔

تمام رہائشی علاقوں میں بھی اسی طرز پر ڈاکٹر تعینات ہوں گے زیادہ علیل مریضوں کو ڈاکٹر گھر میں دیکھنے جائے گا جہاں ابتدائی معائنے کے بعد اسے مرض کی نوعیت کے مطابق ہسپتال یا ڈسپنسری میں منتقل کیا جائے گا۔

گھر اور فیکٹری کے ڈاکٹر کے بعد ڈسپنسری اور پولی کلینک کا درجہ آتا ہے جو آبادی کے تناسب سے بنائے جائیں گے۔ان اداروں میں ہر فرد کا باقاعدگی سے معائنہ ہوگا اور ہر شخص کو تمام شعبوں سے گزرنا ہوگا جہاں اس کی صحت کے متعلق تمام ٹیسٹ کیے جائیں گے۔اس کے علاوہ ایک نرس اس کے گھر جا کر کام کی صورتحال اور حفظان صحت کا جائزہ لے گی اور مقررہ معیار سے کمی کی صورت میں اس کو بہتر کیا جائے گا۔

رہائشی علاقوں اور فیکٹری کے صحت کے شعبے کا سلسلہ مکمل طور پر ڈسپنسری اور پولی کلینک سے جڑا ہوگا جہاں ہر شخص کا مکمل میڈیکل ریکارڈ موجود ہوگا۔

اس سلسلے کی آخری کڑی ہسپتال ہوں گے جہاں تمام جدید سہولتیں اور تمام میڈیکل کی سہولتیں میسر ہوں گی۔پرفضا مقامات پر سینی ٹوریم بھی بنائے جائیں گے جہاں مریض تندرست ہونے تک رہ سکیں گے۔

زراعت میں انقلابی تبدیلیوں سے غذائیت کی کمی کا خاتمہ ہوگا۔حمل کے دوران خواتین کو

خصوصی سہولیات فراہم کی جائیں گی اور ماں اور بچے کی صحت پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔ حاملہ خواتین کو خصوصی کارڈ دیے جائیں گے جس کے بعد انہیں سفر کے دوران سہولیات میسر ہوں گی، قطار میں کھڑا ہونا نہیں پڑے گا، غذائی ضروریات کے لیے خصوصی راشن دیا جائے گا، سخت کام کی جگہ پر ہلکا کام دیا جائے گا اور زچگی کی چھٹی بغیر کسی کٹوتی کے دی جائے گی۔

زچگی کے بعد ہر خاتون کو مسلسل اس کی رہائش کے قریب موجود طبی سہولیات میسر ہوں گی۔ بچوں کی صحت مند پرورش کے لیے پبلک نرسریاں قائم کی جائیں گی جہاں تربیت یافتہ نرسیں بچوں کی صحت اور پرورش کا خیال رکھیں گی۔ نرسریوں میں بچوں کی غذائی ضروریات بھی حکومت کی جانب سے پوری کی جائیں گی۔ ہر بچے کا مکمل میڈیکل ریکارڈ محفوظ رکھا جائے گا۔

ہر شہر میں خصوصی جمنیزیم اور کھیل کے میدان بنائے جائیں گے اور دوسری صحت مند سرگرمیوں کو فروغ دیا جائے گا۔

تعلیم

انقلاب کے بعد طبقاتی نظام تعلیم کا خاتمہ ہوگا اور تمام افراد کے لیے تعلیم مفت مگر لازمی قرار دی جائے گی۔ علم کے حصول اور تعلیم کو کاروبار بنانا ایک جرم قرار دیا جائے گا بلکہ تمام تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے کر تعلیم حاصل کرنے کے مساوی حالات، مواقع اور نصاب میسر کیا جائے گا۔ ہنگامی بنیادوں پر وہ تمام لوگ جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتے انہیں سکھایا جائے گا۔ اس کے لیے سرخ فوج کے علاوہ نوجوانوں کو متحرک کیا جائے گا۔ تمام نصاب دوبارہ ترتیب دیا جائے گا جس میں رسمی منطق کی بجائے جدلیاتی مادیت کے فلسفے کے تحت تعلیم و تربیت کے عمل کا آغاز کیا جائے گا۔ ابتدائی تعلیم مقامی زبانوں میں دی جائے گی لیکن جدید علوم اور زبانیں سیکھنا بھی لازمی ہوگا۔ تمام مادری زبانوں پر وسائل خرچ کر کے ان کو ترقی اور جدت سے آراستہ کیا جائے گا۔

سرمایہ داری میں سکول حکمران طبقے کا حکمرانی کے لیے ایک اہم اوزار ہے، انقلاب کے بعد اسے سرمائے کے جبر سے آزادی اور طبقاتی نظام کے مکمل خاتمے کی جدوجہد کے لیے استعمال کیا

جائے گا۔

سوشلزم میں سکول صرف عمومی اصولوں کا نہیں بلکہ پرولتاریہ کا دوسرے محنت کش طبقات پر نظریاتی، تنظیمی اور تعلیمی اثر و رسوخ کا ذریعہ ہو گا تا کہ ایسی نسل تیار کی جا سکے جس میں کمیونزم کو تعمیر کرنے کی صلاحیت ہو۔اس میں جو ابتدائی فرائض شامل ہیں ان میں

1) 16 سال تک کی عمر تک کے تمام بچوں کے لیے مفت، لازمی عمومی پولی ٹیکنیکل تعلیم، جس میں پیداوار کی تمام اہم شاخوں کا تعارف اور عملی تجربہ۔

2) تعلیمی اداروں اور پیداواری سماجی محنت کے درمیان قریب ترین تعلق

3) سکول جانے والے تمام بچوں کو ریاست کی جانب سے کھانا، کپڑے، کتابیں اور دوسری ضروری چیزوں کی مفت فراہمی

4) سکول کے اساتذہ کی پرولتاری انقلاب کے نظریات پر تیز ترین تربیت

5) تعلیم کے نظام میں محنت کشوں کی شرکت کو فعال کرنا۔عوامی تعلیمی کونسلوں کا قیام، پڑھے لکھوں کو متحرک کرنا وغیرہ

6) سوشلسٹ حکومت کی جانب سے اپنی تعلیم آپ کے تحت مزدوروں اور کسانوں کی امداد جس میں لائبریریاں، تعلیمِ بالغاں، عوامی یونیورسٹیاں، لیکچروں کی اشاعت، ٹی وی، ریڈیو، اخبار، سینما، وغیرہ کا استعمال

7) کمیونسٹ نظریات کا زیادہ سے زیادہ لوگوں تک تیز ترین پھیلاؤ

انقلاب کے بعد وسیع پیمانے پر تعلیمی اداروں کا جال بچھایا جائے گا جس میں پرائمری سے لے کر یونیورسٹی سطح کے نئے ادارے بڑی تعداد میں تعمیر کیے جائیں گے۔

پاکستان میں بہت سی ایسی زبانیں بولی جاتی ہیں جو زوال پذیر ہو کر نا پید ہو رہی ہیں۔ انقلاب کے بعد انہیں نہ صرف محفوظ کیا جائے گا بلکہ ترقی دی جائے گی۔نصاب میں بچوں کو نفع نقصان کا حساب کتاب کروانے کی بجائے سماج میں ہونے والی پیداوار، اس کی ضرورت، تبادلے اور انسانی ترقی کے خیالات سے روشناس کروایا جائے گا اور بچوں کو کھیل کے ذریعے تعلیم دی جائے

گی نہ کہ جبر سے۔ تعلیم کا مقصد روزگار کا حصول نہیں بلکہ علم کا حصول ہوگا اور بچوں میں انفرادی لالچ اور ہوس کی بجائے اجتماعی سوچ پروان چڑھائی جائے گی۔

عوامی تعلیمی کونسلوں میں علاقے میں رہنے والے تمام لوگوں کو رائے دینے کا اختیار ہوگا جن میں اساتذہ، طالب علم، صفائی کرنے والے حتیٰ کہ تمام لوگ شامل ہوں گے۔ یہ کونسلیں سکول کے متعلق تمام فیصلے کریں گی کہ سکول کے فنڈ کو کیسے استعمال کیا جائے، باغ میں کیا اگایا جائے یا کیا پڑھایا جائے۔ اگر بچے کسی ضروری مضمون کے خلاف فیصلہ کریں تو یہ استاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ کھیل اور زندگی کو یکجا کرتے ہوئے مضمون کی ضرورت کو اجاگر کرے۔

بچوں کے لیے پریوں کی کہانیاں تب بھی ہوں گی لیکن ذرا مختلف۔ جیسے روس میں سوویت یونین کے عہد میں بچوں نے ایک کہانی بنائی۔ استاد نے بچوں کو سنایا کہ ایک محنت کش لڑکی نے شہزادے سے شادی کر لی۔ لیکن کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی کہ اس کے بعد وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔ بلکہ یہاں ختم ہوئی کہ جب محنت کش لڑکی محل میں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ وہاں موجود مال و دولت اس کے پرانے ساتھیوں کی محنت کو لوٹ کر جمع کیا گیا ہے۔ بچوں نے کہانی کا اختتام تبدیل کیا اور بنایا کہ اس محنت کش لڑکی نے ایک کوئلے کی کان کے مزدور سے شادی کر لی جو اپنی محنت اور لگن کے باعث انقلاب کا دفاع کرتے ہوئے پورے علاقے کی کانوں کی سوویت میں ذمہ داری سرانجام دینے لگا۔

اسی طرح اعلیٰ تعلیم کی طرز بھی تبدیل ہوگی اور تحقیق کے نئے افق روشن ہوں گے۔ موسم گرما یا سرما کی چھٹیوں میں طلبا ٹولیوں کی شکل میں دیہاتوں اور دور دراز علاقوں میں جائیں گے تاکہ علم کی روشنی پھیلا سکیں اور محنت کشوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کے ذریعے اپنے تجربے اور عمل میں اضافہ کر سکیں۔ طلبا کے لیے سفر کی سہولیات مفت فراہم کی جائیں گی۔

انقلاب کے بعد بہت سے مضامین کی ضرورت تقریباً ختم ہو جائے گی جس میں بورژوا قانون، مارکیٹنگ، وغیرہ شامل ہیں۔

سرمائے کے جبر کے خاتمے کے بعد اگلا محاذ علم کی بلندیوں کو سر کرنا ہوگا۔ اس کے لیے

سکولوں اور کالجوں کے طلبا اٹھکیلیاں کرتے نوجوان نہیں بلکہ اس محاذ کو سر کرنے کے لیے ایک انقلابی فوج ہو گی۔ پوری کائنات کے ان کھلے راز ان کے لیے چیلنج ہوں گے۔ جنگلات، زرعی زمینیں، دریا، سمندر، زمین میں چھپے ذخائر کو انسانی سماج کی فلاح میں استعمال میں لانے کی جدوجہد ان کا رستہ ہو گی۔ فلسفہ، تاریخ، جغرافیہ، سائنس، ٹیکنالوجی اور بے شمار مضامین نئی بلندیوں کو چھونے کے لیے اس فوج کو پکاریں گے۔ یہ جنگ بھی بہادری، عزم، جرات اور قربانی کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ فوج انتظار نہیں کر سکتی۔ تاریخ کو شاید جلدی آگے بڑھنا ہو گا۔

رہائش

انقلاب کے بعد تمام لوگوں کو رہائش کی سہولت مہیا کرنا حکومت کی ذمہ داری ہو گی۔ اس کے لیے جہاں پہلے سے موجود رہائشی مکانوں میں بے گھر محنت کشوں کو منتقل کیا جائے گا وہاں وہ محنت کش جن کے گھر میں افراد کی تعداد گنجائش سے زیادہ ہے ان کو بھی مناسب رہائش مہیا کی جائے گی۔

شہروں میں گنجان آبادی اور بے ہنگم تعمیرات کے ملغوبے نے پہلے کبھی نہ دیکھی گئی وہ شکل اختیار کی ہے کہ اس میں رہنا تو در کنار دیکھنے سے انسان ذہنی مریض ہو جائے۔ شہروں کی بڑھوتری کسی مخصوص منصوبے کی بجائے سرمایہ داری کی طرح پر انتشار ہے۔ اسی طرح امرا کے لیے قائم منصوبہ بند رہائشی کالونیوں کے جزیرے شہروں کی بدصورتی میں اضافہ کرتے ہیں۔ اسی طرح دیہاتوں میں بھی تعمیرات میں سماج کی ناہمواری کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے۔ سماج کا زوال اتنا گہرا ہو چکا ہے کہ رہائشی مکانات کو امارت کی علامت کے طور پر تعمیر کیا جاتا ہے نہ کہ آرام دہ زندگی گزارنے کے لیے۔

شہروں کے ساتھ ساتھ ان کے اردگرد میں بے ہنگم طریقے سے پھیلتی کچی آبادیاں بھی سماج میں موجود کینسر کی طرح بلا ترتیب بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ غلاظت اور گندگی کے ڈھیروں میں یہ جھونپڑپٹیاں ڈوبتی جا رہی ہیں۔ آج سر چھپانے کے لیے چھت کا حصول آبادی کی اکثریت کے

لیے زندگی کا نصب العین بن چکا ہے۔ انقلاب کے بعد بڑے پیمانے پر عوام کے لیے نئے شہر منصوبہ بندی کے تحت تعمیر کیے جائیں گے اور ایسی رہائش تعمیر کی جائے گی جو بیگانگی کو ختم کر کے انسان کو انسان کے قریب لائے۔

اینگلز نے اپنی تصنیف ''رہائشی مکانوں کا سوال'' (1872ء) میں کمیون کے تجربے کو پیش نظر رکھ کر لکھتا ہے۔

''رہائشی مکانوں کا سوال کیسے حل کیا جائے؟ موجودہ سماج میں اس کو بھی کسی دوسرے سماجی سوال کی طرح حل کیا جاتا ہے۔ مانگ اور سپلائی کی رفتہ رفتہ معاشی ہمواری کے ذریعہ، اور یہ ایسا حل ہے جو اس سوال کو بار بار پھر پیدا کرتا ہے اور اس لئے کوئی حل نہیں ہے۔ اس سوال کو سماجی انقلاب کیسے حل کرے گا، اس کا انحصار نہ صرف وقت اور مقام پر ہوگا بلکہ اس کا تعلق کہیں زیادہ دوررس سوالات پر ہے جن میں ایک بہت ہی بنیادی سوال شہر اور دیہات کے درمیان تضاد کو ختم کرنے کا ہے۔ چونکہ ہمارا یہ فریضہ نہیں ہے کہ ہم مستقبل کے سماج کے لئے یوٹو پیائی سسٹم منظم کریں اس لئے اس سوال کو لینا ہمارے لئے بے سود ہے۔ لیکن ایک بات میں کوئی شک نہیں کہ بڑے شہروں میں اس وقت بھی رہائشی مکانوں کی اتنی کافی تعداد ہے کہ رہائشی مکانوں کی واقعی کمی کو فوراً دور کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ ان کو معقول طور پر استعمال کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی طرح ممکن ہے کہ موجودہ مالکان کو مکانوں کی ملکیت سے بے دخل کر کے وہاں بے گھر مزدوروں کو یا ان مزدوروں کو بسایا جائے جن کے گھروں میں بہت مجمع ہو گیا ہے۔ اور جیسے ہی پرولتاریہ سیاسی اقتدار حاصل کرے گا مفاد عامہ کے پیش نظر یہ معقول اقدام ویسا ہی آسان ہوگا جیسا کہ موجودہ ریاست کے لئے عمارتوں کے مالکوں کو بے دخل کرنا اور ان پر قبضہ کرنا ہے۔''

(جرمن ایڈیشن، 1887ء، صفحہ 22)

یہاں ریاستی اقتدار کی شکل میں تبدیلی پر نہیں غور کیا گیا ہے بلکہ صرف اس کی سرگرمیوں کا

مافیہ لیا گیا ہے۔مکانوں کی بے دخلی اوران پر قبضہ موجودہ ریاست کے حکم سے بھی ہوتا ہے۔ معاملے کے باضابطہ پہلو سے پرولتاری ریاست بھی مکانوں پر قبضے اور مکانوں کی بے دخلی کا ''حکم'' دے گی۔لیکن یہ بات صاف ہے کہ پرانی انتظامی مشنیری،افسرشاہی جو بورژوازی سے متعلق ہے پرولتاری ریاست کے احکام پورے کرنے کے لئے ناموزوں ہوتی ہے۔

''...اس بات کی توجہ دلانے کی ضرورت ہے کہ محنت کے تمام آلات پر، مجموعی طور پر صنعت پر محنت کش لوگوں کا واقعی قبضہ پرودھونی ''ادائیگی'' کے بالکل برخلاف ہے۔موخرالذکر صورت میں مزدور رہائشی مکان،کسان کے قطعہ زمین،محنت کے آلات کا انفرادی طور پر مالک بن جاتا ہے۔اول الذکر صورت میں ''محنت کش لوگ'' مکانوں،فیکٹریوں اور محنت کے آلات کے اجتماعی مالک رہتے ہیں اور کم سے کم عبوری دور میں مشکل سے ہی افراد یا انجمنوں کو بلا معاوضہ ان کے استعمال کی اجازت دی جائے گی۔اسی طرح ملکیت اراضی کا خاتمہ لگان کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ سماج کی طرف اس کی منتقلی ہے خواہ وہ کچھ تبدیل شدہ صورت میں ہو۔اس لئے آلات محنت پر محنت کشوں کا واقعی قبضہ کسی صورت سے ان کی کرائے پر لین دین کی برقراری کو خارج نہیں کرتا"(صفحہ 68)۔

بجلی

پاکستان میں بجلی کے بحران کو بھی صرف ایک سوشلسٹ انقلاب کے ذریعے حل کیا جاسکتا ہے۔

پاکستان میں اس وقت بجلی کی زیادہ سے زیادہ طلب 15000 میگاواٹ کے لگ بھگ ہے جبکہ پیداواری صلاحیت 19500 میگاواٹ ہے۔تاہم ڈیموں اور ہائیڈل پاور پلانٹس کی باقاعدہ مرمت وتوسیع اور نئے ڈیم تعمیر نہ ہونے اور توانائی سے وابستہ نجی شعبے کی ریاستی مشینری کے ساتھ ملی بھگت سے کی جانے والی لوٹ مار (جس کا مختصر جائزہ نیچے لیا گیا ہے) بجلی کی پیداوار پورا سال طلب سے کم رہتی ہے۔بجلی کی طلب میں 7 سے 8.5 فیصد سالانہ کے تناسب سے اضافہ ہورہا ہے۔حکومتِ پاکستان کے اپنے اندازوں کے مطابق 2020ء تک پاکستان میں بجلی کی طلب تین

گنا سے بھی زیادہ ہو کر 54000 میگا واٹ تک پہنچ جائے گی۔ پچھلی ایک دہائی میں پاکستان کے نیشنل گرڈ میں '0' میگاواٹ بجلی کا نیٹ اضافہ ہوا ہے۔ توانائی کے بحران سے نمٹنے کے لیے کیے جانے والے 'حکومتی اقدامات' کا اگر یہی حال رہا تو مستقبل قریب میں ہی ملک کو 20000 میگا واٹ بجلی کی قلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حکومت فی الوقت اس مسئلے کو ٹالنے کے لئے جو شارٹ کٹ اختیار کر رہی ہے وہ نجی شعبے کے تحت چلائے جانے والے رینٹل پاور پلانٹس کا استعمال ہے۔ حکومتی پالیسیوں کا ایک سرسری سا جائزہ بھی یہ ثابت کرتا ہے کہ حکومت اس مسئلے کو حل کرنے میں بالکل بھی سنجیدہ نہیں اور ماضی کی تمام حکومتوں کی طرح عارضی اقدامات کر کے 5 سال پورے ہونے کا انتظار کیا جا رہا ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے توانائی کے بحران کا کوئی مستقل حل ممکن ہی نہیں ہے۔

پاکستان میں دریاؤں اور نہروں کا وسیع ترجال ہونے کے باوجود ہائیڈل پاور (بہتے یا بلندی سے گرتے ہوئے پانی کی قوت سے بجلی کی پیداوار) کے منصوبوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ کل پیداواری صلاحیت کا 37% ہائیڈل پاور پر مبنی ہے جس میں سال کے مختلف حصوں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ نئے ڈیم تعمیر کر کے نہ صرف بجلی کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے بلکہ زراعت کو بھی ترقی دی جا سکتی ہے۔ بجلی کی پیداوار بڑھانے کا ایک فوری طریقہ دریاؤں یا بڑی نہروں کے بہتے پانی پر پاور پلانٹس کی تعمیر ہے۔ اس طریقے کو **Run of the river hydroelectricity** کہا جاتا ہے۔ اس طریقے کو استعمال کرتے ہوئے صرف دریائے سندھ سے 41766 میگا واٹ بجلی کی پیداوار ممکن ہے۔ فی الحال صرف 2500 میگا واٹ بجلی (غازی بروتھا اور نیلم جہلم پاور پلانٹس سے) اس طریقے سے پیدا کی جا رہی ہے۔

دنیا میں اس وقت کوئلے کے ذخائر کا اندازہ 929 بلین ٹن ہے اور پاکستان کوئلے کے ذخائر کے لحاظ سے دنیا میں تیسرے نمبر پر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں کوئلے کے ذخائر 185 بلین ٹن ہیں جن کی توانائی پیدا کرنے کی صلاحیت 400 بلین بیرل تیل کے مساوی ہیں، دوسرے الفاظ میں پاکستان کے کوئلے کے ذخائر ایران اور سعودی عرب کے مشترکہ تیل کے ذخائر کے

برابر ہیں۔اگرایک بیرل تیل کی قیمت 50 ڈالرفرض کی جائے توان ذخائر کی کل مالیت 20 ٹریلین ڈالرسے زائد بنتی ہے۔اگرکوئلے سے بجلی پیدا کرنے پر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو نسبتاً بہت کم عرصے میں پاکستان کوئلے سے 10000 میگا واٹ بجلی پیدا کر سکتا ہے۔کوئلے کے یہ ذخائر اگلے 200 سال تک پاکستان کی توانائی کی ضرورت پوری کر سکتے ہیں۔دنیا میں پیدا کی جانے والی بجلی کا 38% کوئلے سے پیدا ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں پاکستان میں صرف 0.2 فیصد بجلی ہی کوئلے سے بنائی جا رہی ہے۔ایک اور اندازے کے مطابق تھر میں پائے جانے والے ذخائر کے صرف 2% استعمال سے اگلے 40 سال تک 20000 میگاواٹ بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔

توانائی پیدا کرنے کا ایک متبادل طریقہ 'ہوا' ہے۔13 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی ہوئی ہوا بجلی پیدا کرنے کیلئے کافی ہوتی ہے۔اس وقت صرف سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں ہوا سے 50000 میگا واٹ بجلی با آسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔ایک امریکی سروے کے مطابق سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقے ہوا سے بجلی پیدا کرنے کیلئے موزوں ترین ہیں۔کشمیر اور شمالی علاقوں کے دوسرے بہت سے مقامات اس کے علاوہ ہیں۔پیپلز پارٹی کی موجودہ حکومت نے حال ہی میں بجلی پیدا کرنے والے نجی شعبے کو 548 ارب روپے ادا کئے۔ماہرین کی رائے کے مطابق اگر یہی سرمایہ ہوا سے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں پر خرچ کیا جاتا تو صرف 6 ماہ میں 6300 میگاواٹ بجلی کی پیداوار مستقل بنیادوں پر شروع ہوسکتی تھی۔ایسے منصوبے سے فرنس آئل کی درآمد 60% کم ہوجاتی اور اس مد میں 5.3 ارب ڈالر کی بچت ہوسکتی تھی۔یاد رہے کہ 6300 میگا واٹ بجلی کی پیداوار میں 25475 ملین مکعب فٹ گیس صرف ہوتی ہے۔ 95-1994ء کی حکومت میں لگائے گے سامراجی اجارہ داریوں کے پاور پلانٹ (IPP's) سے سالانہ 11.5 ارب ڈالر منافع حاصل کر کے ملک سے باہر بھیجا گیا۔اس طرح یہ اب تک تقریباً 30 ارب ڈالر بنتا ہے۔اگر اس لوٹ کو روکا جاتا اور یہ رقم بجلی کی پیداوار پر صرف کی جاتی تو بہت زیادہ بجلی پیدا ہوسکتی تھی۔اب بھی اگر ان نجی پیداواری یونٹس، جو صلاحیت کا بہت قلیل حصہ پیدا کر رہے ہیں، کو قومی تحویل میں لے کر پوری بجلی بنائی جائے تو لوڈ شیڈنگ کا مکمل خاتمہ ہوسکتا ہے۔

بجلی پیدا کرنے کا ایک اور سستا اور محفوظ ترین طریقہ شمسی توانائی کا استعمال ہے۔اس وقت جرمنی اور سپین بالترتیب 8اور 3 گیگا واٹ (1 گیگا واٹ =،1000 میگاواٹ) بجلی اس طریقہ سے پیدا کر رہے ہیں۔پاکستان کے اکثریتی علاقوں میں سورج اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ چمکتا ہے۔پاکستان کا ہر ایک مربع فٹ سورج سے ایک سال میں 19 میگا جول توانائی حاصل کرتا ہے اور اس توانائی کو استعمال کرتے ہوئے 90% دیہی علاقوں کو تقریباً مفت بجلی فراہم کر کے نہ صرف لوڈ شیڈنگ سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے بلکہ ضرورت سے زائد بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔

دنیا بھر میں پیدا کی جانے والی کل بجلی کا 16% ایٹمی توانائی سے پیدا کیا جاتا ہے۔پاکستان دنیا کی واحد ’ایٹمی طاقت‘ ہے جہاں بجلی کی شدید قلت نے لوگوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے۔حکمرانوں اور مڈل کلاس کو جس ’ایٹمی ٹیکنالوجی‘ پر بہت فخر ہے، ایک عام پاکستانی کی زندگی کو سہل بنانے میں اس کا کوئی کردار نہیں ہے۔الٹا یہ ایٹمی پروگرام پاکستان کی معیشت پر ایک بھاری بوجھ ہے جس کی ’حفاظت‘ اور توسیع پر ہر سال کروڑوں اربوں روپے خرچ کئے جا رہے ہیں۔اس وقت ملک کی صرف 2% بجلی ایٹمی توانائی سے پیدا کی جارہی ہے۔غریب عوام کے خون سے نچوڑا گیا جو سرمایہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری پر صرف ہو رہا ہے اس کا ایک معمولی حصہ بھی بجلی کی پیداوار کیلئے استعمال کیا جائے تو بہت کم عرصے میں مستقل بنیادوں پر لوڈ شڈنگ کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

اس تمام تر بحث سے بنیادی طور پر تین نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں:

پہلا یہ کہ عالمی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کی موت نے توانائی کے مسئلے کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں انتہائی سنجیدہ بنادیا ہے۔منافع کی خاطر پچھلی ایک صدی میں معدنی تیل اور گیس کے سرمایہ دارانہ بنیادوں پر بے دریغ استعمال کی وجہ سے یہ ایندھن اب کرہ عرض پر سے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔افغانستان اور عراق کی جنگوں کے پیچھے بے شمار دوسرے سامراجی عزائم کے ساتھ ساتھ معدنی وسائل پر قبضے کا عنصر بھی شامل تھا۔بلوچستان میں جاری بڑی سامراجی قوتوں کی بلواسطہ جنگ بھی دراصل اس خطے میں تیل، گیس اور دوسری معدنیات کے وسیع تر ذخائر کی لوٹ مار کیلئے ہے۔توانائی کے بے شمار سستے اور باکفایت متبادل ذرائع موجود ہیں لیکن مسئلہ صرف یہ ہے

کہ وہ 'منافع بخش' نہیں ہیں اور اسی وجہ سے دنیا کی سیاست اور معیشت کو کنٹرول کرنے والی ملٹی نیشنل کمپنیاں ان میں دلچسپی نہیں لے رہیں۔

دوسرا یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہتے ہوئے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں توانائی کے بحران پر قابو پانا ناممکن ہے۔ ایک ایسی معیشت سے جس کا دوتہائی حصہ کالے دھن پر مبنی ہو، کسی بھی قسم کی بہتری کی امید کرنا بذات خود ایک بیوقوفی ہے۔ ایسی ڈانواڈول معیشت میں کسی بھی طور دوررس منصوبہ بندی ممکن نہیں ہے۔ پیپلز پارٹی کی موجودہ کرپٹ اور نا اہل حکومت چلی بھی جائے تو آنے والی کوئی بھی حکومت توانائی کے اس بحران پر مستقل بنیادوں پر قابو نہیں پا سکتی۔ آنے والے سالوں میں یہ بحران گہرا سے گہرا ہی ہوتا جائے گا اور بے شمار چھوٹی اور بڑی عوامی بغاوتوں کو جنم دے گا۔

پانی، آبپاشی و نکاسی

قدرتی وسائل میں پانی سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے جس پر نہ صرف سیاست چمکائی جاتی ہے بلکہ اس کی بد انتظامی کے باعث کبھی سیلاب اور کبھی قحط جیسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہیپا ٹائٹس، ڈینگی اور دوسری موذی بیماریوں کی وجہ بھی گندا پانی ہے۔ انقلاب کے بعد ہر شخص کو پینے کا صاف پانی مہیا ہوگا۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانے پر نئے ڈیم اور نہریں بنائی جائیں گی جبکہ پہلے سے موجود انفراسٹرکچر کو جدید بنیادوں پر وسعت دی جائے گی۔

پاکستان میں دو طرح کے پانی کے ذرائع ہیں ایک سطح زمین پر دستیاب پانی اور دوسرا زیرِ زمین پانی۔ بٹوارے کے وقت اس ملک کو (ملین ایکڑ فٹ) **67maf** پانی دستیاب تھا۔ آج دریائے سندھ کا طاس (**basin**) جس میں اس کے ماخذ دریاؤں اور اس میں شامل ہونے والے دریاؤں (سندھ، گلگت، استور، سران، کابل، جہلم، چناب، ستلج) کو ملا کر کل **5,16,600** مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے اور اس سے سالانہ اوسطاً **141.67maf** پانی دستیاب ہوتا ہے۔ کوئٹہ اور اس کے معاون تنگ طاس جو پشین لورا، بدو، رخشان، مشخیل اور دیگر ندیوں پر مشتمل ہے، اور جو خاران کے صحرا میں ضم ہوتے ہیں، **1,20,100** مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے اور

جس کا ماخذ زیادہ تر بارشیں اور بہت کم برف کا پگھلنا ہے اس سے سالانہ اوسطاً 4.5maf پانی حاصل ہوتا ہے۔مکران کوسٹل طاس جس میں ملیراور حب جیسی ندیاں شامل ہیں، 1,22,400 مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے اور اس سے سالانہ اوسطاً 0.78maf پانی حاصل ہوتا ہے اور اس کا مکمل انحصار بارشوں پر ہے۔ پاکستان میں اوسطاً تقریباً 72maf پانی سالانہ زمین میں جذب ہوتا ہے، جس میں سے سالانہ اوسطاً تقریباً 48maf ٹیوب ویلوں اور دیگر ذرائع سے Indus Basin Irrigation System(ibis) میں شامل ہوتا ہے۔1972ء سے 1997ء تک میں گراؤنڈ واٹر کا شیئر میں 25.62maf سے 50.43maf یعنی دوگنا ہوااور اس عرصہ میں ٹیوب ویلوں کی تعداد پانچ گنا بڑھ کر 4,84,000 ہوگئی مگر پھر 1997-98ء میں یہ گر کر 40.21maf ہوگیا۔ دریائے سندھ کے میدان کے علاوہ پہاڑوں کے درمیان میدانوں میں جو بارانی ہیں زیر زمین پانی جو کاشتکاری کے لیے دستیاب ہوتا ہے تقریباً 18.89maf ہے۔اس طرح پاکستان میں کل دستیاب پانی 240.22maf ہے۔ پاکستان بننے کے بعد کئی بیراجوں کے علاوہ 1967ء میں منگلا ڈیم 5.41maf قابل استعمال پانی کی گنجائش کے ساتھ بنایا گیا جو اب 13.2 فیصد کم ہوکر 4.636maf رہ گئی ہے۔ 1976ء میں تربیلا ڈیم 9.68maf قابل استعمال پانی کی گنجائش کے ساتھ بنایا گیا جو اب 24.6 فیصد کمی کے ساتھ 7.295maf رہ گئی ہے۔کم وبیش چالیس سال سے پاکستان میں کوئی ڈیم نہیں بنایا گیا، آبپاشی کا کوئی جامع نظام مرتب نہیں کیا گیا جس کے باعث کم درجے کے سیلاب بھی زیادہ بربادی پھیلا رہے ہیں۔

دریائے سندھ اور اس میں شامل ہونے والے دریاؤں میں سالانہ اوسطاً 141.67maf پانی بہتا ہے جس میں سے 97 فیصد آبپاشی اور 2 فیصد گھریلو اور کمرشل استعمال میں آتا ہے جبکہ 1 فیصد انڈسٹری میں استعمال ہوتا ہے۔ 141.67maf میں سے 106.7maf آبپاشی کے لیے نہروں میں چھوڑا جاتا ہے جس میں سے 23.33maf کھیتوں تک پہنچنے سے پہلے نہروں میں ضائع ہو جاتا ہے اور کھیتوں تک 83.37maf ہی پہنچ پاتا ہے اور اس میں سے بھی بڑی

مقدار صدیوں پرانے طریقہ آبپاشی کی وجہ سے ضائع ہوجاتی ہے۔ نئی نہروں کے بننے سیپیج کے خاتمے اور آبپاشی نظام کی تعمیر نو سے ہی یہ مسئلہ حل کیا جائے گا۔

پینے کا پانی

دنیا بھر میں دو چار شہر ہی ایسے ہیں جن میں ٹیب واٹر ڈرنکنگ واٹر بھی ہوتا ہے۔ پاکستان میں ٹیب واٹر ڈرنکنگ واٹر نہ ہونے کے باوجود جوہڑوں کا پانی پینے کی نسبت ایک عیاشی اور غنیمت کے طور پر پیا جاتا ہے۔ دو چار شہر ہی میں سہی اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ٹیب واٹر کو ایک مخصوص میٹریل اور ڈیزائن کی پائپ لائن کی وقفوں کے ساتھ ٹریٹمنٹ کر کے ڈرنکنگ واٹر کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے، سرمایہ دارانہ نظام میں یہ ایک عیاشی ہے کیونکہ اس پر بہت زیادہ خرچہ آتا ہے مگر شاید ایٹم بم سے زیادہ نہیں۔

سینی ٹیشن / نکاسی آب

ہر شہر میں کھلے مین ہول اور گندے پانی کے جوہڑ سرمایہ داری کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اس غلاظت سے شہر گندگی کا ڈھیر بن چکے ہیں جن سے تعفن کی بو آتی ہے۔ انقلاب کے بعد تمام شہروں اور دیہاتوں میں سیوریج کا نظام جدید بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا جائے گا اور اس تعفن سے محنت کشوں کو نجات ملے گی۔

بہت سی عالمی اجارہ داریاں اور صنعتیں اپنا ویسٹ پانی بغیر ٹریٹ کیے نہروں اور دریاؤں میں ڈال دیتی ہیں اور اس طرح ویسٹ واٹر ٹریٹمنٹ کا خرچہ بچا کر اپنے منافعوں کے لیے پانی میں زہر ملا دیتی ہیں اور ماحولیاتی آلودگی کی قیمت پر دولت میں اضافہ کرتی ہیں یعنی ان کے منافع کی قیمت ورکروں اور خریداروں کے ساتھ ساتھ ساری انسانیت ادا کر رہی ہوتی ہے۔ انقلاب کے بعد سینیٹری ویسٹ واٹر اور گھریلو ویسٹ واٹر کی لائنوں کو علیحدہ کر کے الگ الگ ٹریٹ کیا جاتا ہے۔ سینیٹری واٹر معمولی ٹریٹمنٹ کے بعد نامیاتی کھاد اور آبپاشی کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مکس ویسٹ واٹر کو بھی ٹریٹمنٹ کے بعد آبپاشی اور حتیٰ کہ جدید ٹیکنالوجی سے ہائی جینک

ٹریٹمنٹ کے بعد ڈرنکنگ واٹر کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔مگران سب ٹیکنالوجیز کو منافع کمانے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے اور سوشلسٹ انقلاب کے بعد کی سوشلسٹ معیشت ان ٹیکنالوجیز کولوگوں کوسہولیات بہم پہنچانے کے لیے استعمال کرے گی۔

ٹرانسپورٹ

سوشلسٹ انقلاب کے بعد ہی مسافروں کو دردناک اور تکلیف دہ سفر کی اذیت سے نجات ملے گی۔

نیشنل ٹرانسپورٹ ریسرچ سنٹر کے اعداد وشمار کے مطابق 1992ء میں پاکستان میں انجن سے چلنے والی رجسٹرڈ سواریوں Vehicles کی کل تعداد 20 لاکھ 95 ہزار پانچ سوتھی جو کہ 2006ء میں بڑھ کر 70 لاکھ ہو چکی ہے۔یعنی اس تعداد میں 16 سال کے عرصے میں 350 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔اس کے مقابلے میں سڑکوں کی کل لمبائی میں اس عرصے کے دوران صرف 52 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ 2012ء کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں 77 فیصد کاریں سی این جی پر چل رہی ہیں جن کی تعداد اب 30 لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے اور پاکستان سی این جی سے چلنے والی گاڑیوں کی تعداد کے حوالے سے برازیل کو بھی پیچھے چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا ملک بن گیا ہے۔ 17 فیصد گاڑیاں پٹرول جبکہ باقی کی 4% گاڑیاں ڈیزل پر چلتی ہیں۔ 10-009ء کے اعداد وشمار کے مطابق پاکستان میں 4 لاکھ 10 ہزار بیرل تیل ہر روز استعمال ہوتا ہے جس میں سے 3 لاکھ 46 ہزار 4 سو بیرل تیل درآمد کیا جاتا ہے۔صرف 2010ء میں پاکستان نے 10 ارب ڈالر سے زائد کا تیل درآمد کیا۔پاکستان میں تیل کا 50% حصہ ٹرانسپورٹ میں استعمال ہوتا ہے(36% بجلی جبکہ 12% زراعت)۔معدنی گیس کے کل استعمال کا 15% ٹرانسپورٹ میں استعمال ہو رہا ہے۔2009ء کے اعداد وشمار کے مطابق 38.41 ارب کیوبک میٹر گیس سالانہ استعمال ہوتی ہے۔

پاکستان میں سڑکوں کی کل لمبائی 260000 کلومیٹر ہے جن میں 60 فیصد پختہ جبکہ

40 فیصد غیر پختہ یا غیر معیاری ہیں۔اس کل لمبائی کا صرف 9000 کلومیٹر (4%) قومی ہائی وے پر مشتمل ہے جس کو 90% ٹریفک کا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔پاکستان میں سڑکوں کی کثافت Road Density صرف 0.34 کلومیٹر فی مربع کلومیٹر ہے۔انڈیا میں یہ تناسب 1 جبکہ جاپان میں 3 کلومیٹر فی مربع کلومیٹر ہے۔انقلاب کے بعد ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا جائے گا اور دور دراز کے علاقوں کو جدید ترین سڑکوں اور ریلوے لائنوں کے ساتھ منسلک کیا جائے گا۔

سفر کے کسی بھی طریقہ کار کی کارکردگی Efficiency ماپنے کیلئے 'مسافر میل فی گیلن Passenger-Miles per Gallon' کی اکائی استعمال کی جاتی ہے۔یعنی کسی خاص قسم کی سواری ایک گیلن پٹرول یا ایندھن استعمال کرتے ہوئے کتنے مسافروں کو کتنا فاصلہ طے کرواسکتی ہے۔امریکہ میں حال ہی میں ایک تحقیق کے دوران جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کے مطابق ایک اعلیٰ اور جدید ترین سہولیات سے آراستہ بس کا سفر نجی کار کے مقابلے میں 4 گنا سے بھی زیادہ سستا پڑتا ہے۔یعنی ایک فرد ایک گیلن ڈیزل کے ساتھ پبلک بس پر سفر کرتے ہوئے اوسطاً 180 میل کا سفر طے کرلیتا ہے۔ریل پر یہی فاصلہ 140 کلومیٹر ہے۔جبکہ کار پر یہ فاصلہ صرف 40 کلومیٹر بنتا ہے۔لہٰذا نجی کار پر سفر معیشت پر ایک بہت بھاری بوجھ ہے جس کے نقصانات اور اخراجات بہت زیادہ ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہتے ہوئے کسی قسم کی کوئی بھی منصوبہ بندی ناممکن ہوتی ہے۔ پیسے اور منافع کی ہوس اور لالچ ہر معاشرتی بہتری کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔کیا پاکستان میں نجی کاروں کی تعداد میں اضافے کا سڑکوں کے انفراسٹرکچر اور شہروں کی گنجائش کے ساتھ کوئی میل موجود ہے؟ ایک ایسا ملک جس میں 80% لوگوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں وہ لاکھوں کی تعداد میں گاڑیوں کی پیداوار اور استعمال افورڈ کرسکتا ہے؟ سرمایہ دارانہ نظام کی اسی افراتفری اور نفسانفسی اور بوسیدہ سرمایہ دارانہ ریاست کی طرف سے مستقبل کی کسی قسم کی منصوبہ بندی نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت ٹرانسپورٹ اور ایندھن کا مسئلہ وبال جان بن چکا ہے۔شہر دھویں سے بھر کے ہٹلر کے گیس چیمبر کا منظر پیش کررہے ہیں، معدنی گیس اور تیل کی شدید قلت ہے جس کی قیمتوں

میں آئے روز اضافے کی وجہ سے عام آدمی سفر کرنے کی صلاحیت کھوتا جا رہا ہے، سڑکوں کی گنجائش ختم ہو چکی ہے، صوتی آلودگی اور آئے روز کے حادثات وبال جان بن چکے ہیں۔ بڑے شہروں میں ٹریفک جام ہر روز کا معمول ہیں جن سے مجموعی طور پر لاکھوں قیمتی گھنٹے ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ ان تمام تر مسائل نے لوگوں کو چڑچڑا اور ذہنی طور پر بیمار کر کے رکھ دیا ہے۔

اگر پاکستان کی تمام تر نجی کاریں ضبط کر کے انہیں برآمد کر دیا جائے (یا نجی کار رکھنے پر بھاری ٹیکس لگا کر اسکی حوصلہ شکنی کی جائے) تو حاصل ہونے والے سرمائے سے معاشرے کے ہر فرد کیلئے سفر کی اجتماعی بہترین، آرام دہ اور انتہائی سستی سہولیات چند ماہ میں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ کاریں بنانے والی تمام تر ملٹی نیشنل کمپنیاں جو پچھلی کئی دہائیوں سے لوٹ مار کر رہی ہیں اور منڈی پر اجارہ داری قائم کر کے بھاری منافع کما رہی ہیں، کو قومی تحویل میں لے کر محنت کشوں کے جمہوری کنٹرول میں دیا جائے اسی پیداواری صلاحیت کو آرام دہ بسیں بنانے میں استعمال کیا جائے۔ پاکستان میں اتنی افرادی قوت موجود ہے کہ پورے معاشرے کے لئے بسیں اور اجتماعی سفر کے دوسرے ذرائع چند سالوں میں پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ اس طرح معدنی تیل کے استعمال اور درآمد میں کم از کم 50% کی کمی لائی جا سکتی ہے اور بچنے والے اربوں روپے کو دوبارہ بسوں، انڈر گراؤنڈ میٹروز اور پبلک ٹرانسپورٹ کی بہتری میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ گیس کی لوڈ شیڈنگ کا خاتمہ چند دنوں میں کیا جا سکتا ہے۔ گاڑیوں کی بہتات کی وجہ سے بڑے شہروں میں سڑکوں کو چوڑا کرنے اور فلائی اوورز کے منصوبوں کی ضرورت ہی ختم ہو جائے گی۔ اور اربوں روپے کا سرمایہ مزید بچے گا جسے شہروں کے درمیان موجود غیر معیاری سڑکوں کو از سرِ نو تعمیر پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔

ان تمام تر فوری اقدامات کے ساتھ ساتھ ایسے منصوبے شروع کئے جائیں گے کہ تیل درآمد کرنے کی ضرورت سرے سے ہی ختم ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے تیل سے چلنے والی ٹرانسپورٹ کو ایک دہائی کے اندر بجلی سے چلنے والی انٹر سٹی اور انٹرا سٹی ٹرینوں سے بدل دیا جائے گا۔ پاکستان میں بجلی غیر محدود مقدار میں پیدا کی جا سکتی ہے۔ شہروں کے اندر زیرِ زمین چلنے والی جدید ترین ٹرین کا نظام اس طرح سے ترتیب دیا جائے گا کہ کسی بھی فرد کو ٹرین تک پہنچنے کیلئے 5 منٹ سے

زیادہ نہ چلنا پڑے جہاں سے ٹرین پر سوار ہو کر وہ شہر کے کسی بھی حصے تک پہنچ سکے۔شہر کے اندر ٹرانسپورٹ کا ایسا نظام صرف منصوبہ بند معیشت کے ذریعے ہی قائم کیا جا سکتا ہے۔

ریلوے

پاکستان میں 1977ء میں 360 ٹرینیں چلتی تھی جو 80ء کی دہائی میں کم ہو کر 220 کر دی گئیں اور نومبر 2011ء کے اعداد و شمار کے مطابق یہ تعداد صرف 114 رہ گئی ہے۔آیئے پاکستان میں ریلوے سے متعلقہ پیداواری صلاحیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

راولپنڈی سینٹرل ڈیزل لوکوموٹیو ورکشاپ ایشیا کی جدید ترین ورکشاپوں میں سے ایک ہے جس کا رقبہ 58 ایکڑ ہے۔جہاں پر ان حالات میں بھی پاکستان ریلوے کے ماہر اور جفاکش مزدور 8 سے 12 ریلوے کے انجن ماہانہ تیار کر سکتے ہیں۔اسی طرح رسالپور لوکوموٹو فیکٹری جو کہ 251 ایکڑ کے رقبے پر مشتمل ہے، میں جدید طرز کے 2 انجن ماہانہ بنانے کی گنجائش موجود ہے(سنگل شفٹ میں)۔اس گنجائش کے ساتھ ریلوے کا ایک بھی انجن چین یا کسی اور ملک سے درآمد کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔اس وقت بھی 230 انجن ایسے ہیں جن کو مرمت کر کے ایک ماہ کے اندر اندر دوبارہ قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح 1970ء میں قائم ہونے والی اسلام آباد ریلوے کیرج فیکٹری سوپر ڈیلکس لگژری کوچز سمیت جدید اور آرام دہ ترین کوچز تیار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔1973ء میں بنگلہ دیش کو برآمد کی جانے والی 175 کوچز یہاں ہی تیار ہوئی تھیں۔80 کی دہائی میں پاک فوج کیلئے جدید ترین بکتر بند گاڑیوں کی باڈیز، فریم، ٹینکوں کی باڈیز، آٹو ٹرک اور ہنگامی استعمال کیلئے پل اسی فیکٹری کے محنت کشوں نے ہی تیار کئے اور آج 3500 محنت کش ریاستی عہدہ داروں کی ہوس کی وجہ سے خام مال نہ ملنے پر بیکار بیٹھے ہیں اور لگی بندھی تنخواہوں پر گزارہ کر رہے ہیں۔

ریلوے کی جو کوچز کمیشن کھانے کی خاطر چین سے درآمد کی جا رہی ہیں اس سے بہتر کوچز آدھی سے بھی کم قیمت میں پاکستان میں تیار کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔مغل پورہ (لاہور)

ریلوے ورکشاپ میں جدید ترین مشینری موجود ہے جو ریلوے انجنوں اور کوچز کا میٹریل ضرورت سے زیادہ مقدار میں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لاہور میں دوسری بڑی ورکشاپ ریلوے کیرج شاپ ہے مال گاڑی کی کوچز تیار کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے اور جہاں دنیا کی جدید ترین کوچز نہ صرف ملکی استعمال کے لئے بلکہ برآمد کے لئے بھی تیار کی جا سکتی ہیں۔

مندرجہ بالا تمام تر اعداد و شمار ثابت کرتے ہیں کہ بجلی کے بحران کی طرح ریلوے کا 'بحران' بھی جعلی ہے۔ ریلوے کو محنت کشوں کے جمہوری کنٹرول میں لے کر تمام تر پیداواری صلاحیت کو منصوبہ بند معیشت کے تحت بروئے کار لا کر پاکستان چند سالوں کے اندر اندر اس قابل ہو سکتا ہے کہ انجن یا کوچز کی درآمد تو درکنار، اربوں روپے کے انجن اور کوچز دنیا بھر میں برآمد کئے جا سکتے ہیں جن سے حاصل ہونے والا زرِ مبادلہ دوبارہ ریلوے اور ٹرانسپورٹ کے شعبے پر خرچ کر کے ہر شہری کے لئے مفت اور آرام دہ سفر کو یقینی بنایا جا سکتا ہے۔

ٹرکوں کے ذریعے سے سامان کی نقل و حمل ایک انتہائی مہنگا ترین طریقہ ہے اور لاکھوں لیٹر تیل ہر سال درآمد کرنا پڑتا ہے۔ ریلوے کی از سرِ نو تعمیر کے بعد تمام بھاری سامان کی نقل و حرکت کو مال گاڑیوں پر منتقل کیا جائے گا جس سے نہ صرف اربوں روپے کا ڈیزل بچے گا بلکہ ہائی ویز کی ٹوٹ پھوٹ بھی تقریباً ختم ہو جائے گی جس سے ریلوے ٹریک کی مرمت اور توسیع کے لئے سرمایہ دستیاب ہو سکے گا۔

اس کرّہ ارض پر ایک جدید ترین منصوبہ بند معیشت کھڑی کرنے کے لئے ضروری ہو گا کہ زیادہ سے زیادہ اگلی دو دہائیوں میں توانائی اور ٹرانسپورٹ کے شعبے میں تیل اور معدنی گیس کا استعمال یکسر ختم کر دیا جائے۔ انسان کو توانائی حاصل کرنے کے ان دونوں طریقوں سے اب آگے جانے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لئے ریل کے نظام کو اپنے پیروں پر کھڑے کرنے کے بعد ڈیزل الیکٹرک انجنوں کو رفتہ رفتہ صرف الیکٹرک انجنوں سے تبدیل کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ اہم روٹس پر وقت کی بچت کے لئے بلٹ ٹرینوں کا جال بچھایا جائے گا جو جہاز سے زیادہ محفوظ اور تیز طریقہ سفر ہے۔

خواتین

سوشلسٹ ریاست ہر شعبے میں خواتین کو مردوں کے برابر حقوق دے گی۔

انقلاب کے بعد ترقی کی پیمائش کا سب سے درست طریقہ عملی کاروائیاں اور تدابیر ہیں جو ماں اور بچے کے حالات کی بہتری کیلئے کی جائیں گی۔ یہ انڈیکس بہت قابل اعتبار ہے۔ یہ دھوکہ نہیں دیتا۔ یہ وسیع مفہوم میں فی الفور مادی کامیابیاں اور ثقافتی حاصلات نمایاں کر دیتا ہے۔

عورت کا خاندانی غلامی کا عادی ہو جانا ہی تو ایک خوفناک طاعون ہے۔ نہ صرف غریب بلکہ مڈل کلاس خاندان کے اندر خواتین کے بوجھ اور انکی قسمت کی مایوسی کا موازنہ تو شاید آج کی انتہائی بدترین قید مشقت سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی آرام وسکون نہیں۔ کوئی چھٹی نہیں۔ کوئی امید کی کرن نہیں۔ سوشلسٹ انقلاب بتدریج خاندانی بنیادوں تک اترے گا۔ خاص کر چھوٹے شہروں اور قصبوں میں۔ عورت کی محکومی کی جڑ دراصل اس کی گھریلو محنت جس میں صفائی، دھلائی، بچوں کی نگہداشت، کھانا پکانا اور محنت کے دوسرے ایسے بہت سے پہلو ہیں جن کو اس سماج کی اقدار، تعصّبات، ثقافت اور خاندانی ڈھانچوں کے ذریعے ''فطری'' طور پر لیا جاتا ہے۔ اس خواتین کی بے پناہ اجتماعی محنت کو اگر کل معاشرتی مقدار کے حوالے سے پرکھا جائے تو اس محنت کا اجر معاشرے کے GDP کا بہت بڑا حصہ ہے لیکن اس بازاری اور منافع خور نظام کو مفت میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ محنت کی اتنی بڑی چوری ہے جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ سوشلسٹ معاشرے میں اس محنت کو بھی برابر کا درجہ دے کر کل سماجی محنت کے زمرے میں لایا جائے گا۔ اس کو خاندانی یا گھریلو چنگل سے آزاد کروا کے اس کو سماجی حیثیت دی جائے گی۔

عورت کی اس حالت زار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ سماجی، خاندانی اور گھریلو حالات کو بدلا جائے۔ ماں کے مسئلے کی حقیقت کو ٹراٹسکی نے یوں بیان کیا کہ ''دراصل ماں ہی زندگی کا وہ نقطہ ہے جہاں معیشت اور ثقافت کے تمام تانے بانے ایک دوسرے

کو قطع کرتے ہیں''۔

ممتا کا مسئلہ سب سے پہلے تو رہائش' پانی' سہل کچن' لانڈری روم اور ایک ڈائننگ روم کا سوال ہے۔ لیکن یہ صرف اتنا ہی ہے جتنا کہ ایک سکول' کتابوں اور ایک تفریحی مقام کا سوال ہے۔ نشے' جہالت' بیروزگاری کے ساتھ ساتھ گھر میں پانی، گیس اور بجلی کی عدم دستیابی عورت (ماں) کو بے رحمی سے پیٹتی ہے۔

ماں کی ممتا اس نظام کے خلاف سب سے بڑا سوال ہے۔ تمام تانے بانے یہاں آ کر جڑتے ہیں اور یہاں ہی سے پھر مختلف سمتوں میں نکل جاتے ہیں۔ ملک کے اندر خوشحالی ماں اور بچے کی قدر و قیمت اور اہمیت کو بڑے وسیع پیمانے پر ممکن بناتی ہے۔ اس میدان میں ہمارا عزم اور استعداد اس بات سے عیاں ہو گی کہ ہم نے اپنی زندگی کے بنیادی مسائل کو کہاں تک ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا سیکھا ہے۔

جس طرح کسان طبقے کو غلامی کے شکنجوں سے آزاد کروائے بغیر سوویت ریاست کی تعمیر تک رسائی ممکن نہیں بالکل اسی طرح کسان خواتین اور محنت کش خواتین کو خاندانی اور گھریلو بندھنوں سے آزاد کروائے بغیر سوشلزم کی سمت پیش قدمی ممکن نہیں۔ کسی بھی سماج کی بلوغت اور پختگی کو اس کے عورت اور بچے کے ساتھ رویے سے ماپا جا سکتا ہے۔ ہم ماں کو قید با مشقت سے آزاد کروانے کی ضرورت کو اس ریاست کی منصوبہ بندی کرنے والوں کی فہم و فراست میں تلاش کر سکتے ہیں اور ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عورت کو سماجی اور ثقافتی زندگی میں شمولیت اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کا کتنا موقع دیتے ہیں۔

ممتا تمام تر مسائل کا محور ہے۔ اس لئے معاشی اور سماجی تعمیر کے میدان میں ہر ایک نئی تدبیر' ہر ایک قانون' ضابطے اور ہر ایک عملی قدم کی جانچ پڑتال کی جانی چاہیے، یہ پرکھنا چاہئے کہ یہ خاندان کے اوپر کیا اثرات مرتب کرے گا؟ آیا کہ یہ ماں کی قسمت کو بدتر بنا دے گا یا اس کے بوجھ کو ہلکا کرے گا؟ اور یہ کہ یہ بچے کی حالت زار کو بہتر بنائے گا یا نہیں؟

ہمارے شہروں اور قصبوں میں بے گھر بچوں کی ایک بڑی تعداد اس خوفناک حقیقت کی

عکاس ہے کہ موجودہ نظام ناکام ہو چکا ہے۔ پرانا سماج' اپنے زوال کے اس عہد میں بڑے گھناؤنے انداز میں اپنا ظلم ڈھا رہا ہے۔ ماں اور بچے کی حالت پہلے کبھی اتنی خراب نہیں ہوئی جتنی آج ہے۔

انقلاب خواتین کو مردوں کے برابر نہ صرف سیاسی، معاشی اور سماجی حقوق دے گا بلکہ کسی بھی عہد کی نسبت معاشی اور ثقافتی کام کے تمام پہلوؤں تک عورت کی رسائی کو ممکن بنائے گا۔ تاہم یہ عظیم ترین انقلاب' عورت کو مرد میں تبدیل نہیں کر سکتا---اور نہ ہی حمل' پیدائش' دیکھ بھال اور بچوں کی پرورش جیسے بوجھ کو مرد اور خاتون میں برابر تقسیم کر سکتا ہے۔

انقلاب نے خاندان کے نام نہاد چولہے کو تباہ کرنے کی جرات مندانہ کاوشیں کیں--- ایک قدیم دقیانوسی' حبس زدہ اور بدبودار ادارہ جس میں محنت کش خاتون بچپن سے لے کر موت تک غلاموں کی طرح محنت کرتی ہے۔ خاندان کی اس چھوٹی سی مقید جگہ پر سوشلسٹ انقلاب جدید سہولیات مہیا کرے گا۔ ان میں دیکھ بھال کی سہولت اور رہائش کا مکمل نظام' زچہ بچہ سنٹرز 'بچوں کی نگہداشت کے مراکز' کنڈرگارٹنز' سکولز' سماجی طعام خانے' عوامی لانڈریاں' فرسٹ ایڈ کے مراکز' خاندان کے تمام گھریلو افعال کی سوشلسٹ سماج کے اداروں کے تحت مکمل تحلیل' تمام نسلوں کا سماجی ہم آہنگی کے تحت اتحاد اور امداد باہمی۔ یہ سب کچھ ایک خاتون تک پہنچانا اور اس کے ذریعے محبت کرنے والے جوڑوں کو ہزاروں سالوں کی کہنہ جکڑ بندیوں سے آزاد کروائے گا۔

خاندان کے متعلق کمیونسٹ مینی فیسٹو میں واضح طور پر لکھا گیا ہے،

'' خاندان کا نام ونشان مٹا دیا جائے۔ بڑے سے بڑے انتہا پسند بھی کمیونسٹوں کی اس شرمناک تجویز پر آگ بگولہ ہو جاتے ہیں۔ موجودہ زمانے کا خاندان بورژوا خاندان آخر کس بنیاد پر قائم ہے؟ سرمایہ پر ذاتی منافع پر۔ اپنی مکمل ترین صورت میں یہ خاندان صرف بورژوا طبقے میں پایا جاتا ہے۔ لیکن اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک طرف مزدور بے خاندان رہنے پر مجبور ہیں اور سربازار عصمت فروشی ہوتی ہے۔

بورژوا خاندان کا یہ پہلو جب نہیں رہے گا تو وہ خاندان آپ ہی آپ مٹ جائے گا اور

سرمایہ کے مٹتے ہی دونوں مٹ جائیں گے۔

کیا آپ کا الزام ہے کہ ہم ماں باپ کو اپنے بچوں کے استحصال سے روکنا چاہتے ہیں؟ ہم اپنا یہ جرم مانتے ہیں۔

لیکن آپ کہیں گے کہ ہم سب سے قابل احترام رشتوں کو برباد کرنے کے درپے ہیں کیونکہ ہم گھریلو تعلیم کی جگہ سماجی تعلیم جاری کرنا چاہتے ہیں۔

اور آپ کی تعلیم؟ کیا وہ بھی سماجی نہیں؟ کیا وہ بھی ان سماجی حالات سے متعین نہیں ہوتی جن میں آپ وہ تعلیم دیتے ہیں؟ کیا اس میں بھی اسکول وغیرہ کے ذریعے سماج کی براہ راست یا بالواسطہ دست اندازی نہیں ہوتی؟ تعلیم میں سماج کی مداخلت کمیونسٹوں نے ایجاد نہیں کی۔ وہ صرف اس مداخلت کی نوعیت کو بدلنا اور تعلیم کو حکمران طبقے کے اثر سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔

خاندان اور تعلیم کے بارے میں ماں باپ اور بچوں کے مقدس رشتے کے بارے میں بورژوا شور غوغا اسی قدر نفرت انگیز ہوتا جاتا ہے جس قدر جدید صنعت کے اثر سے مزدوروں میں تمام خاندانی بندھن ٹوٹتے جاتے ہیں اور ان کے بچے تجارت کی جنس اور محنت کا اوزار بنتے جاتے ہیں۔

لیکن پورا بورژوا مکتبِ فکر ایک آواز سے چیخ اٹھتا ہے کہ تم کمیونسٹ تو عورتوں کو بھی ساجھے کی ملکیت بنا دو گے۔

بورژوا کی نظر میں اس کی بیوی کی حیثیت بھی پیداوار کے ایک آلے سے زیادہ نہیں۔ پھر جب وہ سنتا ہے کہ آلات پیداوار کا استحصال ساجھے میں کیا جائے گا تو قدرتاً اس کے سوا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا کہ عورتوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔

اس کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ اصل مقصد عورتوں کی اس حیثیت کا خاتمہ کرنا ہے جس میں وہ صرف پیداوار کا آلہ بن کر رہ گئی ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہمارے بورژوا پاک دامنی کے جوش میں عورتوں کی ساجھے داری پر ناک بھوں چڑھائیں اور ظاہر یہ کریں کہ کمیونسٹ کھلے بندوں اور قانوناً اس کو رائج کریں گے۔ اس کا رواج تو بہت پرانے زمانے سے چلا آتا ہے۔

زنان بازاری کا تو کہنا ہی کیا، جب اپنے مزدوروں کی بہو بیٹیوں سے بھی جی نہیں بھرتا تو ہمارے بورژوا ایک دوسرے کی بیویوں سے ناجائز تعلق قائم کر کے انتہائی مسرت حاصل کرتے ہیں۔

بورژوا شادی دراصل ساجھے میں بیویوں کو رکھنے کا دستور ہے اور اس لئے کمیونسٹوں پر بفرض محال بڑے سے بڑا الزام کوئی ہوسکتا ہے تو یہی کہ وہ اس منافقت بھری اور پوشیدہ ساجھے داری کے بدلے عورتوں کی اعلانیہ قانونی ساجھے داری قائم کرنا چاہتے ہیں۔اور اصل حقیقت ظاہر ہے کہ جب موجودہ تعلقات پیداوار مٹیں گے تو اس کے ساتھ عورتوں کو ساجھے میں رکھنے کا دستور، یعنی بازاری یا خانگی عصمت فروشی بھی، جو ان تعلقات کا نتیجہ ہے، مٹ جائے گی''۔

نجی ملکیت کے خاتمے سے عصمت فروشی کا بھی خاتمہ ہوگا اور انسانیت کو سماج کی اس غلاظت سے نجات ملے گی۔اسی طرح خواتین کو اسقاطِ حمل میں بھی رائے کا پورا حق دیا جائے گا۔ موجودہ سماج میں تمام جنسی بے راہروی کی ذمہ داری خواتین پر ڈالی جاتی ہے۔خواتین کی معاشی آزادی انسان کی حقیقی آزادی کی جانب ٹھوس قدم ہوگا۔

''زنا، گناہ کی ترغیب بہکانے والے کا گناہ ہے۔۔۔لیکن بیچاری لڑکی طفل کُشی! اتنا بڑا جرم! اگر وہ اپنی عزت کو قیمتی جانے تو اسے بے عزتی کے تمام دھبے لازمی دھونے ہوں گے۔لیکن اگر وہ دنیا کے تعصّبات پر اپنا بچہ قربان کر دے تو اس کی رسوائی اور بھی زیادہ ہے اور وہ قانون کے تعصّبات کی بھینٹ چڑھتی ہے۔

کسی بھی تاریخی عہد میں تبدیلی کا تعین عورت کی آزادی کی جانب ہونے والی ترقی سے ہوتا ہے۔کیونکہ یہاں عورت اور مرد کے مقابلے میں، کمزور اور طاقتور کے مقابلے میں، انسانی فطرت کی حیوانیت پر فتح زیادہ واضح ہے۔عورت کی آزادی کا پیمانہ عمومی آزادی کا فطری پیمانہ ہے۔

مادہ جنس کی تذلیل تہذیب اور بربریت کا لازمی حصہ ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ جو گناہ بربریت میں سادہ انداز میں ہوتا ہے تہذیب اسے مرکب، ذو معنی، مبہم اور منافقانہ انداز میں کرتی ہے۔۔۔عورت کو غلامی میں رکھنے کی سب سے سخت سزا خود مرد کو ملتی ہے۔'' (فوریئر، صنعت اور کمپنی کی نئی دنیا، 1808ء)

ہمیں بنیادوں' ذرائع اور جڑ تک پہنچنا ہوگا۔ اگر ماں نہیں تو معاشرے کا بنیادی یونٹ اور کونسا ہے؟ ماؤں کو نظرانداز کرنے کے خلاف جدوجہد کو اولیت دی جائے گی۔ گھروں کی تعمیر' بچوں کی نگہداشت کے مراکز کی تعمیر' کنڈرگارٹنز' اجتماعی ڈائننگ رومز اور لانڈریاں توجہ کا مرکز ہوں گے۔ یہاں معیار فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔ بچوں کی نگہداشت' خوراک اور لانڈری کی سہولیات اس انداز کی ہوں گی کہ اپنی فوقیت کے باعث تمام اطراف سے محصور پرانے خاندانی نظام' جو کہ ماؤں اور گھریلو خواتین کے جھکے ہوئے شانوں کے سہارے کھڑا ہے کیلئے موت کی آندھی ثابت ہوں۔ ماحول کی بہتری ناگزیر طور پر مانگ اور پھر ذرائع کی متقاضی ہے۔ بچوں کی نگہداشت کے ساتھ ساتھ عوامی ریستورانوں میں مادی ذرائع کی تبدیلی اسی صورت میں ممکن ہوگی جب سماجی ڈھانچہ لوگوں کی بنیادی ضروریات کو خاندان کی نسبت بہتر انداز میں پورا کرے گا۔ معیار کے مسئلے پر خاص توجہ دی جائے گی۔ وہ تمام ادارے جو محنت کش عوام کی گھریلو اور خاندانی ضروریات کو پورا کرتے ہیں ان پر ایک مستعد سماجی کنٹرول ناگزیر ہے۔

ماؤں کی آزادی کی اس عظیم جدوجہد کا آغاز یقیناً باشعور محنت کش خواتین ہی کریں گی۔ عورت کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھنا ناممکن ہے۔ عورت ماں ہے۔ عورت کی غلامی اور پسماندگی سے توہمات اور تعصّبات ابھرے جنہوں نے نئی نسل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور عمومی شعور میں بہت گہرائی تک سرایت کر گئے جو سوچوں اور شعور میں پسپائی اور رجعتیت کے رجحانات پیدا کرتے ہیں۔ جنسی تعصّبات اور توہمات کے خلاف جدوجہد کا سب سے بہترین راستہ تمام پہلوؤں سے ماں کی فکر اور تشویش کرنے کا راستہ ہے۔ ماں کی آزادی کا مطلب سماج کی ناف کی اس آخری نالی کو کاٹنا ہے جس نے لوگوں کو تاریک اور توہماتی ماضی سے جوڑ رکھا ہے۔ زندگی کی بنیادی ضروریات اور مادی وسائل کے حصول اور مانگ اور محرومی کے خاتمے سے ہی ماں حقیقی طور پر آزاد ہو سکتی ہے۔ یہ صرف اس وقت ممکن ہوگا جب ایک منصوبہ بند سوشلسٹ معیشت میں پیداوار منافع سے آزاد ہو کر اشیائے صرف کی وہ بہتات پیدا کرے گی اور انفراسٹرکچر کا وہ معیار جنم لے گا جہاں انسانی محنت سے تیار کردہ مشینری اور ٹیکنالوجی انسان کو محکوم کرنے کی بجائے اس کی زندگی کو سہل کر دینے کا موجب بنے۔

قومی مسئلہ

سوشلسٹ انقلاب کے فوری بعد اس خطے کے تمام باسیوں کا برابری کی بنیاد پر اشترا کی اقتدار میں شمولیت کا عمل شروع ہو گا۔ مارکسزم تمام مظلوم قومیتوں کے حقِ خود ارادیت کو تسلیم کرتا ہے، جس میں علیحدگی اور خود مختار ریاست بنانے کا حق شامل ہے۔

جن قومیتوں کے اکثریتی عوام ایک سوشلسٹ فیڈریشن میں شمولیت کے خواہش مند ہوں گے انہیں خوش آمدید کہا جائے گا۔ ان قومیتوں کی سوویتوں کے نمائندوں کی باہمی رضامندی سے مرکزی حکومت اور مرکزی سوویت کے ادارے تشکیل دیے جائیں گے۔

جو علاقے مخصوص حالات یا قومی کردار کے حامل ہیں وہاں خود مختار علاقائی یونٹ بنانے کی اجازت ہو گی جہاں مقامی سوویتوں کی کانگریس اور اس کے انتظامی اداروں کی حکومت ہو گی۔ خود مختار علاقائی یونٹ مزدور ریاست میں فیڈریشن کی بنیاد پر شامل ہو سکیں گے۔ فیڈریشن کے قوانین اور ضوابط ایسے بنائیں جائیں گے کہ ان علیحدہ یونٹوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری مل سکے۔ انہیں اپنی روایات، اداروں اور زبانوں کو محفوظ کرنے کی مکمل آزادی ہو گی۔ آل سوویت کانگریس کی طرف سے منتخب کردہ مرکزی ایگزیکٹو کونسل کے دو ادارے ہوں گے جن میں سے ایک یونین کی کونسل اور دوسری قومیتوں کی کونسل ہو گی۔ یہ کونسل خود مختار اور تمام علاقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہو گی۔ یہ نمائندے علاقائی سوویتوں سے منتخب ہو کر آئیں گے۔

سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کیساروں کی کونسل کو منتخب کرے گی جس میں قومیتوں کی کونسل اور یونین کی کونسل کی برابر نمائندگی ہو گی۔ کیساروں کی کونسل سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کا ایگزیکٹو ادارہ ہو گا۔ قومیتوں کی کونسل کا ادارہ تمام قانون سازی میں فیصلہ کن کردار کا حامل ہو گا۔ یہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے مختلف خود مختار قومی ریاستوں کے مسائل کے حل کے لیے قانون سازی کا آغاز کر سکے گا۔ اس کے علاوہ مختلف قوانین میں مقامی حوالے سے ترامیم کی گنجائش بھی موجود ہو گی۔

خودمختار علاقوں میں بھی اسی طرز پر علاقائی ادارے ترتیب دیے جائیں گے۔

سوشلزم کا حتمی مقصد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بنی نوع انسان کے بٹوارے اور قوموں کے محنت کشوں کی الگ الگ خانہ بندیوں کو ختم کرنا، قوموں کے عوام کو ایک دوسرے کے ساتھ ملانا ہی نہیں بلکہ ان کو شیر وشکر کر دینا ہے۔

ٹراٹسکی اپنی 1922ء کی ایک کتاب ''سوشل ڈیموکریسی اور مداخلت کی جنگیں'' میں لکھتا ہے،

''پرولتاری انقلاب کا کسی طور بھی یہ فریضہ اور طریقہ نہیں کہ وہ جبری ادغام کرتے ہوئے قومی خصوصیات کو میکانکی انداز میں مٹا دے۔ مختلف قومیتوں کی زبان، تعلیم، ادب اور ثقافت میں مداخلت پرولتاری انقلاب کا وطیرہ نہیں۔ یہ انقلاب دانشوروں کے پیشہ وارانہ دلچسپی کے اموراور محنت کش طبقے کے ''قومی'' مفادات کے علاوہ دوسری چیزوں سے متعلق ہے۔ کامیاب سوشلسٹ انقلاب تمام قومی گروہوں کو مکمل آزادی دے گا تا کہ وہ اپنے قومی ثقافت کے مسائل کو خود حل کر سکیں اور (اجتماعی بھلائی اور محنت کشوں کی مرضی سے) معاشی فرائض کو ایک قیادت کے زیر اثر لائے گا۔۔۔ سوویت فیڈریشن قومی اور معاشی ضروریات کے لیے سب سے زیادہ لچک دار اور قابل قبول ریاستی ہیئت کا اظہار کرتی ہے۔

دوسری انٹرنیشنل کے سیاستدان بورژوا سفارت خانوں میں اپنے اساتذہ کے ساتھ مل کر ہمارے قوموں کے حق خودارادیت کے تسلیم کرنے پر طنزیہ ہنسی ہنستے ہیں۔ ہم عوام کو اس کی محدود تاریخی افادیت کی وضاحت کرتے رہتے ہیں اور ہم اسے کبھی بھی پرولتاری انقلاب کے مفادات سے پہلے نہیں رکھتے۔''

(قومی مسئلے پر تفصیلی مارکسسٹ نقطہ نظر جاننے کے لئے ٹیڈ گرانٹ، ایلن وڈز اور لال خان کی کتاب ''قومی سوال اور مارکسی بین الاقوامیت'' سے رجوع کریں۔)

لسانی وثقافتی مسئلہ

انقلاب کے بعد کوئی سرکاری زبان مسلط نہیں ہوگی۔ کسی بھی علاقے کے لوگ خود فیصلہ کریں گے کہ وہاں تعلیم وتربیت اور دوسرے انتظامی امور میں کون سی زبان استعمال کی جائے۔ اس طرح صرف وہی زبانیں استعمال ہوں گی جو اکثریت کے زیر استعمال ہیں اور کسی ایک قومیت کی زبان اور ثقافت کو اجارہ داری حاصل نہیں ہو سکے گی۔ ایک سے زیادہ زبانوں کی موجودگی کی صورت میں تمام زبانوں کو یکساں اہمیت دی جا سکے گی۔ اس طرح نہ صرف مظلوم قومیتوں کے حقوق سلب نہیں کیے جاسکیں گے بلکہ بڑی اقلیتوں کے درمیان رہنے والی چھوٹی قومیتیں بھی محرومی سے نجات حاصل کریں گی۔

مختلف زبانوں میں تحریری مواد کی اشاعت کے لیے مرکزی سطح پر قومیتوں کے لیے مرکزی پبلشنگ ہاؤس قائم کیا جائے گا جو تمام زبانوں میں نصابی اور غیر نصابی تحریروں کی بڑے پیمانے پر اشاعت کرے گا۔ یہ ادارہ جدید اور قدیم علوم کے مختلف زبانوں میں تراجم کی بھی وسیع پیمانے پر اشاعت کرے گا۔ جن قومیتوں کی زبانیں اتنی ترقی یافتہ نہیں کہ ان میں حروفِ تہجی موجود ہوں اس کے لیے یہ ادارہ جدید تحقیق کے ذریعے نہ صرف ان حروف تہجی کو تخلیق کرے گا بلکہ ان زبانوں کو ترقی اور وسعت دے گا۔

پرولتاری بین الاقوامیت کے نظریات کے تحت آج کا سماج اور اس میں موجود ذرائع پیداوار کی ترقی یافتہ شکل انسانوں کی ہزاروں سال کی تاریخ میں مسلسل محنت کا نچوڑ ہے۔ کسی بھی قومیت یا کسی بھی ملک کا باشندہ اس نظریے کے تحت پوری انسانیت کی تاریخ کا وارث ہے۔ اس طرح دنیا میں مختلف ثقافتیں، زبانیں، قومیتیں اس سماج کی خوبصورتی میں اضافہ کرتی ہیں جنہیں سرمایہ داری نے اپنے منافعوں کی ہوس میں جنگوں اور خانہ جنگیوں میں جھونک دیا ہے۔ انقلاب کے بعد نہ صرف مقامی زبانوں کو ترقی اور ترویج دی جائے گی بلکہ ترقی یافتہ سماجوں کی زبانوں کو سیکھنے اور سکھانے کے لیے سہولیات مہیا کی جائیں گی۔ تعلیمی اداروں یا دیگر امور کے لیے جو لوگ

ان زبانوں کو استعمال کرنا چاہیں انہیں مکمل آزادی ہوگی۔

اسی طرح تمام قومیتوں کی ثقافت کو محفوظ کرنے اور اسے ترقی دینے کے لیے بھی ادارے قائم کیے جائیں گے۔ موجودہ نظام میں حکمران طبقے کے صدیوں سے چلے آرہے استحصال اور جبر کو بھی رسم و رواج کا نام دے کر کمزوروں پر مظالم ڈھائے جاتے ہیں۔ ثقافت کے نام پر خواتین کا استحصال، خرید و فروخت اور غیرت کے نام پر قتل جیسے جرائم کا خاتمہ کیا جائے گا۔ صرف ایسی ثقافت کو پروان چڑھایا جائے گا جو اجتماعی سوچ اور جذبے کو بڑھاوا دے اور ظلم، جبر اور استحصال کا خاتمہ کرتے ہوئے انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لائے۔ قدیم قبائلی نظام میں موجود سرداری، چوہدراہٹ، نوابی اور وڈیرہ شاہی کا خاتمہ کیا جائے گا لیکن ان قبائل کے محنت کشوں کی زبان، فن اور ثقافت کو محفوظ کرتے ہوئے اسے پروان چڑھایا جائے گا۔ برادری، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصّبات کا بھی ایک تسلسل میں خاتمہ ہوگا۔

سوشلسٹ انقلاب کے بعد سابقہ ظالم اور مظلوم قومیتوں کے افراد کے درمیان انسانی رشتے استوار ہونے میں وقت لگے گا جس کا تعین پیداواری طاقتوں کی ترقی، کام کے اوقات کار کا دورانیہ اور عوام کا ثقافتی معیار کرے گا۔ اسی طرح انقلاب کا دوسرے خطوں میں تیز ترین پھیلاؤ بھی اس میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔

فن، ثقافت اور ذرائع ابلاغ

محنت کشوں کو اظہار رائے کی آزادی دینے کے لیے سوشلسٹ ریاست تمام ذرائع ابلاغ کے سرمائے پر انحصار کا خاتمہ کرے گی اور اس کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا تمام انفراسٹرکچر اور آلات صحافتی مزدوروں کے کنٹرول میں دے گی اور پورے ملک میں اخبارات، رسائل، کتابوں کی اشاعت اور ٹی وی چینلوں کے لیے درکار وسائل تمام لوگوں کی سہولت کے لیے مفت مہیا کرے گی۔ سوشلسٹ ریاست اس بات کی مکمل ضمانت دے گی کہ ان ذرائع کو منافع کے لیے قطعاً استعمال نہ کیا جائے بلکہ مزدور ریاست کی تعمیر اور معاشرے کی ترقی کے لیے بروئے کار لایا جائے۔

اظہار رائے کی مکمل آزادی ہوگی اور شائع ہونے والے اخباروں اور ٹی وی چینلوں پر ہر شخص اپنی رائے کا کھلا اظہار کر سکے گا۔ ذرائع ابلاغ کے اداروں کو صحافیوں اور ان اداروں میں کام کرنے والے افراد کی جمہوری کونسلوں کے ذریعے چلایا جائے گا۔ مزدور ریاست میں تاریخ کی اعلیٰ ترین جمہوریت ہوگی۔ ہر شخص سوویتوں کے ذریعے براہ راست قانون سازی اور انتظامی امور میں شراکت کر سکے گا۔ اس لیے کسی کی بھی آواز دبانا ممکن نہیں ہوگا۔

مذہب کو ریاست سے مکمل طور پر علیحدہ کر دیا جائے گا۔ ہر شخص کے مذہب اور عقیدے کو استعمال کر کے ان کے استحصال کی اجازت نہیں ہوگی اور کسی دوسرے کی اس میں مداخلت اور فرقہ وارانہ جبر سنگین ترین جرم قرار دیا جائے گا۔ مذہبی معاملات میں سرمائے کی مداخلت سے اس کے گھناؤنے استعمال کا خاتمہ ہوگا۔ معاشی آزادی اور ایک نئے سماج کی تخلیق اکثریت کے سامنے ایسے نئے چیلنج ابھارے گی کہ فروعی موضوعات پر لاحاصل بحث مباحثے کا خاتمہ ہوگا اور لوگ اپنی توجہ زندگی کے حقیقی مسائل کی جانب مبذول کریں گے۔

مارکسی فلسفے کی روشنی میں تحریری مواد بڑے پیمانے پر ریاست کی جانب سے شائع کیا جائے

گا اور باقاعدگی سے تقسیم کیا جائے گا تاکہ لوگ ان نظریات کو سمجھ کر انہیں روز مرہ کی زندگی میں استعمال کر سکیں۔

تعلیم کے بڑے پیمانے پر فروغ کے باعث بڑی تعداد میں نئے لکھنے والے پیدا ہوں گے۔ جب تمام لوگوں کو اپنی تحریروں یا آواز کے ذریعے لوگوں تک پہنچنے کے تمام وسائل مہیا ہوں گے تو پھر کسی مؤقف کا دبانا یا کسی رائے کا منظر عام سے غائب ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ عمومی ثقافتی معیار کے بلند ہونے سے ذرائع ابلاغ کے استعمال میں بھی وحشت اور بربریت کی جگہ تہذیب لے گی اور لوگ اسے ذاتی شہرت یا دولت کے حصول کے لیے استعمال کی بجائے اجتماعی ترقی کے لیے استعمال کریں گے۔

اسی طرح آرٹ، ادب، ثقافت، فلم، کھیل، تھیٹر اور موسیقی سمیت سماج کی سبھی تفریحی اور تخلیقی سرگرمیوں کو مالیاتی سرمائے کے ہوسناک پنجوں سے آزاد کروایا جائے گا۔ پہلی بار حقیقی معنوں میں سماج کے ہر فرد کو فن کی دلنشیں دنیا سے لطف اندوز ہونے تک رسائی ملے گی۔ لوگوں کو اس قدر دلچسپی و رغبت کی بنیاد پر فن کو بلند و بہتر پیمانے پر نشوونما کے مواقع میسر آئیں گے۔ آزاد ہو چکے انسانوں کی تیار کردہ موسیقی کی دھنیں ترنم اور لطف کی نئی بلندیوں کو چھوئیں گی۔

جب فنکار اپنے فن کو بیچنے کی ذلت سے چھٹکارا حاصل کرے گا تو وہ خود فن کے بہت سے نئے پہلو اجاگر کر سکے گا۔ آرٹ میں نئے تجربات ممکن ہوں گے اور نئی زندگی کا تخلیقی اظہار ہوگا۔ مختلف رجحانات آرٹ میں مدمقابل ہوں گے۔ فن تعمیر نئی بلندیوں کو چھوئے گا اور لوگ بدہیئت اور بدنما عمارتوں کو دیکھنے اور ان میں رہنے کی اذیت سے نجات حاصل کریں گے اور کشادہ، آرام دہ اور خوشنما عمارتیں تعمیر ہوں گی۔ خوبصورتی کا راج ہوگا۔ فنِ تعمیر معاشرے کی آزادی اور ثقافتی معیار کی بلندی کا گہرا اظہار بنے گا۔

نیا ادب تخلیق ہوگا جو ماضی کے شاہکاروں کو محفوظ کرتے ہوئے نئے افق نئے زاویے کھولے گا اور زندگی کے ابھرنے والے نئے پہلوؤں کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کرے گا۔ شعرو شاعری کی ایک نئی کائنات وجود میں آئے گی جہاں محدود موضوعات کا خاتمہ ہوگا اور زندگی کی

خوشیاں، نئی امنگیں، نئے جذبے لاکھوں نئے موضوعات کو جنم دیں گے۔

جب انسان کا انسان کے ہاتھوں استحصال ختم ہوگا تو انسان کی فطرت سے جنگ کے مختلف پہلو ادب کا موضوع بنیں گے۔ پہلی مرتبہ عوام کی ایک بہت بڑی اکثریت کام کے بعد تفریح کے لیے وقت نکالنے کے قابل ہوگی۔ جس کے باعث سینما اور دوسری تفریح گاہوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ یہ تمام تفریح گاہیں بھی کسی کی ذاتی ملکیت کی بجائے مقامی سوویتوں کی اجتماعی ملکیت میں ہوں گی۔ تفریح کا کاروبار نہیں ہوگا بلکہ اس کا مقصد معاشرے کو راحت اور سکھ چین فراہم کرنا ہوگا۔

فلم اور ادب میں جہاں مستقبل کے امکانات پر تخلیقات کی جائیں گی وہاں تاریک ماضی بھی حقائق کی روشنی میں بغیر تعصب کے سامنے آئے گا۔ موسیقی کے نام پر بے ہنگم پن اور شور کا خاتمہ ہوگا اور لوگ حقیقی سروں سے آشنائی حاصل کریں گے۔ انقلاب کی دھنیں، سچی محبت کے نغمے اور حقیقی امن کے نئے ترانے تخلیق ہوں گے۔ سرمائے کی طاقت پر سستی شہرت حاصل کرنے والے عناصر سے نجات ملے گی۔

آرٹ، سائنس اور تاریخ کے موضوعات پر نئے میوزیم تعمیر کیے جائیں گے اور خطے کی ہزاروں سالہ تاریخ کو محفوظ کرنے کے ساتھ ساتھ نئی دریافتوں کی بھی کوشش کی جائے گی۔ انقلاب کے بعد ہی خطے کی حقیقی تاریخ سامنے آسکے گی۔ جدید ترین ٹیکنالوجی کو بروئے کار لاتے ہوئے ماضی کی تہذیبوں کی حقیقت اور جوہر سامنے آسکے گا۔

خارجہ پالیسی و جنوبی ایشیا کی رضاکارانہ سوشلسٹ فیڈریشن

سوشلسٹ انقلاب کے بعد عالمی مارکسی رجحان(IMT) دنیا بھر میں ایک قوت بن کر ابھرے گا اور انقلابی بنیادوں پر ایک نئی وسیع تر عوامی کمیونسٹ انٹرنیشنل تخلیق کرے گا۔مزدور ریاست اقوام متحدہ، دولت مشترکہ اور دوسرے سامراجی گماشتگی کرنے والے اداروں سے قطع تعلق کرے گی ۔اسی طرح عالمی سامراج کے تمام مالیاتی اور سفارتی اداروں کے شکنجے سے بھی آزادی حاصل کرے گی۔انقلاب کے بعد ماضی میں دنیا کے دوسرے ممالک سے ہونے والے خفیہ معاہدے اور دستاویزات عوام کے سامنے لائی جائیں گی اور ہر قسم کے معاہدے ختم کر دیے جائیں گے۔سامراجی غلامی کی تمام زنجیروں کو توڑ دیا جائے گا۔دوسرے ممالک میں جمع یہاں کے محنت کشوں کی لوٹی ہوئی دولت کی واپسی کا مطالبہ کیا جائے گا۔سرمایہ دارانہ ریاستوں میں خفیہ معاہدے اور سازشیں ایک لازمی اوزار ہے جسے حکمران طبقات اکثریت کو غلام بنانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔بورژوا سفارتکاری درحقیقت منافقت کی غلاظت کی انتہا ہے، جسے سامراجی طاقتیں مسلسل ترقی دیتی رہتی ہیں۔سوشلسٹ ریاست اسی منافقانہ سفارت کاری کو رد کرے گی اور کسی بھی قسم کا ہونے والا معاہدہ اس وقت تک مکمل طور پر قابل عمل نہیں ہوگا جب تک سوویتوں کی مرکزی کانگریس اس کی توثیق نہ کردے۔

ملک میں رہنے والے تمام غیر ملکیوں کی جان و مال کا تحفظ سوشلسٹ ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔جو لوگ آزادانہ طور پر یہاں کی شہریت حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے انہیں بھی خوش آمدید کہا جائے گا۔دوسرے ممالک سے یہاں سیاحت، تعلیم یا دیگر کسی غرض سے آنے والوں کے لیے بھی مزدوروں کی بانہیں کھلی ہوں گی۔اسی طرح جو ممالک سفارتی تعلقات کے خواہش مند

ہوں گے ان کے ساتھ بھی انٹرنیشنل کی پالیسیوں کے تحت سفارتی تعلقات قائم کیے جاسکیں گے۔

نئی مزدور ریاست کمیونسٹ انٹرنیشنل کی رکن بنے گی اور اسی انٹرنیشنل کی پالیسیوں اور فیصلوں پر عمل درآمد کرے گی۔ عالمی سوشلسٹ انقلاب کی تکمیل کے لیے نئی کمیونسٹ انٹرنیشنل عالمی مزدور تحریک کو اپنے پلیٹ فارم پر متحد کرنے کی جدوجہد کرے گی۔

سوشلسٹ ریاست کی بقا اس کے تیز ترین پھیلاؤ میں ہے۔ اس مقصد کے لیے دوسرے ممالک پر جارحیت کرنا اور سامراجی کردار اپنانا پرولتاری ریاست کی نظریاتی بنیادوں پر ممکن ہے اور نہ ہی محنت کش کبھی کسی پر جبر اور استحصال کرتے ہیں۔ سامراجی طاقتیں اور ان کی خطے میں حواری ریاستیں اس انقلاب کو کچلنے کی کوشش کریں گی۔ جہاں تک سامراج کی معاشی پابندیوں کا تعلق ہے تو آج تک وہ ان اقدامات سے کوئی فیصلہ کن نتیجہ حاصل نہیں کرسکے۔ پابندیاں صرف غریبوں کی مزید بربادی کا باعث بنتی ہیں۔ لیکن انقلاب جب سرمایہ داری کو ختم کردے گا تو امارت اور غربت کی خلیج اور تفریق کے خاتمے سے ایک نئی زندگی اور خوشحالی کے جنم سے پورے سماج میں جو جذبہ، عزم، اعتماد جنم لے گا اس سے سامراجیوں کو ایسی مزاحمت اور مدافعت کا سامنا کرنا پڑے گا کہ ان کے تمام ہتھکنڈے ناکام اور نامراد ہو کر رہ جائیں گے۔ اگر ہندوستان یا کسی دوسرے ملک سے سامراجی پشت پناہی میں کوئی حملہ کیا جاتا ہے تو اس کا جواب نہ صرف انقلابی شکتی سے ابھرنے والی سرخ فوج اور وسیع تر عوام مسلح ہو کر دیں گے۔ بلکہ مارکسی بین الاقوامیت کے تحت ان ممالک کے اپنے اندر محنت کش اپنے طبقاتی بھائیوں اور بہنوں کے سوشلسٹ انقلاب کے دفاع میں ایک بغاوت کی شکل میں ابھریں گے جو خود سوشلسٹ انقلاب کو ان ممالک میں برپا کردینے کا موجب بنے گا۔ اکتوبر انقلاب کے بعد جب 21 ملکوں کے سامراجی حملے کی یلغار سے بالشویک انقلاب کو کچلنے کی کوشش کی گئی تھی تو نہ صرف ان فوجوں میں بغاوتوں کے سلسلے چل اٹھے تھے بلکہ ان سامراجی ممالک میں بھی انقلابی طوفان برپا ہو گئے تھے۔ آسٹریا، ہنگری، سلووینیا اور دوسرے ممالک میں تو سوویت انقلاب کے دفاع میں ابھرنے والی طبقاتی جدوجہد نے فتح مند سرکشیاں اختیار کرلی تھیں اور انقلابات برپا ہو گئے تھے۔ آج یہ جڑت اور مسائل کی ہم آہنگی کہیں زیادہ

ہے۔ جدید ٹیکنالوجی، سیٹلائٹ ٹیلی ویژن اور گلوبلائزیشن نے ان رشتوں کو مزید قریب تر کر دیا ہے۔ ہر کہیں ایک تبدیلی کے لئے عوام تڑپ رہے ہیں۔ پاکستان میں ایک فتح مند سوشلسٹ انقلاب کی صورت میں تو یہ عوام ایک انقلابی ابھار میں بھڑک اٹھیں گے اور حکمرانوں کو اپنے اقتدار اور نظام کے بچاؤ کی پڑ جائے گی۔

ردِ انقلاب کی کوشش انقلاب کے لئے ایک اشتعال انگیزی بن سکتی ہے۔ لیکن ایک انٹرنیشنل کے تحت آج کی قریب ترین دنیا میں اس انقلاب کی حمایت میں تحریکیں جس شدت سے ابھریں گی اس کی ایک جھلک ہمیں ''وال سٹریٹ پر قبضے'' کی تحریک کی حمایت میں دنیا کے تمام برِاعظموں میں ایک دن 900 شہروں میں مظاہروں کی صورت میں نظر آتی ہے۔ حکمران انقلاب کو کچلنے کے لئے عالمی طور پر کئی ردِ انقلابی ہتھکنڈے اپنائیں گے۔ ذرائع ابلاغ کے حملوں سے لے کر فوجی جارحیت اور دہشت گردی کو بھی استعمال کیا جائے گا۔ لیکن وہ سوشلسٹ انقلاب، جو ایک استحصالی نظام کو جڑوں سے اکھاڑ سکتا ہے، وقت اور زمانے کو بدل سکتا ہے، اتنا کمزور نہیں ہوگا کہ ماضی کی رجعتی قوتیں اس کو جبر کے ذریعے کچل دیں۔ ایک انقلابی عہد میں عوام کی سوچ، جذبے، عزم، ہمت اور جرات میں ایک معیاری تبدیلی اور پہلے کبھی نہ دیکھی گئی طاقت آجاتی ہے۔ ایسی کیفیت میں ردِ انقلاب کے حملوں کے خلاف جوابی کاروائی میں انقلابی قوتوں کے لئے راستے خود بخود کھلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ مارکسزم اگر اتنا نا قابلِ تسخیر اور آہنی ہے تو وہ صرف اس لئے ہے کیونکہ وہ سچ ہے۔ وہ گزرے ہوئے ماضی کی یاد نہیں، آنے والے سوشلسٹ مستقبل کی پکار ہے۔ اس لئے ''عدم مصالحت'' اور ''ملکی سالمیت'' کی فرسودہ اور منافقانہ پالیسیوں کو مسترد کرتے ہوئے پاکستان میں برپا ہونے والے انقلاب کو ایک جرات مندانہ انداز میں پورے خطے اور عالم کے محنت کشوں کو ایک ہراول کردار دینے کی ضرورت ہوگی۔ چونکہ سوشلسٹ انقلاب ایک طبقاتی جنگ کی فتح کی صورت میں برپا ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں بھی طبقاتی کشمکش موجود ہوگی وہاں انقلاب کا یہ اولین فریضہ بنتا ہے کہ اس میں محنت کشوں کی انقلابی تحریک کی بھرپور حمایت کرے۔ اس سے نہ صرف نسلِ انسانی کی نجات کے راستے مختصر ہو جائیں گے بلکہ برپا ہونے والے

سوشلسٹ انقلاب کی بقا بھی یقینی ہو جائے گی۔

انٹرنیشنل کے تحت ہمسایہ ممالک میں انقلاب کی جدوجہد کو تیز کیا جائے گا تا کہ وہاں بھی جبر اور استحصال کا خاتمہ ہو۔ سامراجی طاقتوں کی طرف سے کی گئی مصنوعی تقسیم کا خاتمہ ہوگا، ڈیورنڈ اور ریڈکلف لائینیں مٹ جائیں گی اور ماضی کے تعصّبات کو ختم کر کے انسانیت کا کہیں زیادہ بلند ثقافتی اور تہذیبی معیار پر بھائی چارہ جنم لے گا۔ جنوبی ایشیا کی ایک رضا کارانہ سوشلسٹ فیڈریشن وجود میں آئے گی۔ یہ فیڈریشن ایک عالمی فیڈریشن اور کمیونسٹ سماج کی جانب فیصلہ کن قدم ہوگا۔

''انسانی سماج جو فطرتی اور تاریخی عمل کے طور پر انسان کے سامنے آتا ہے، اب ایک ایسا عمل بن گیا ہے جو اس کی رضا کارانہ کاروائی کا نتیجہ ہے۔ بے شمار معروضی قوتیں، جو تاریخ پر غالب رہی ہیں، اب انسان کے اپنے دائرہ اختیار میں آچکی ہیں۔ اسی ایک نکتے کی وجہ سے ہی اب یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انسان آئندہ اپنی خود کی تاریخ شعوری طور پر مرتب کرے گا اور اس کا اپنا ہر ایک سماجی عمل اب اس کی خواہشات کے مطابق اثرات مرتب کرے گا۔ یہ ضروریات کی دنیا سے آزادی کی دنیا کی جانب انسانیت کی ایک بڑی چھلانگ ہوگی''۔

(فریڈرک اینگلز، 1820-1895ء)